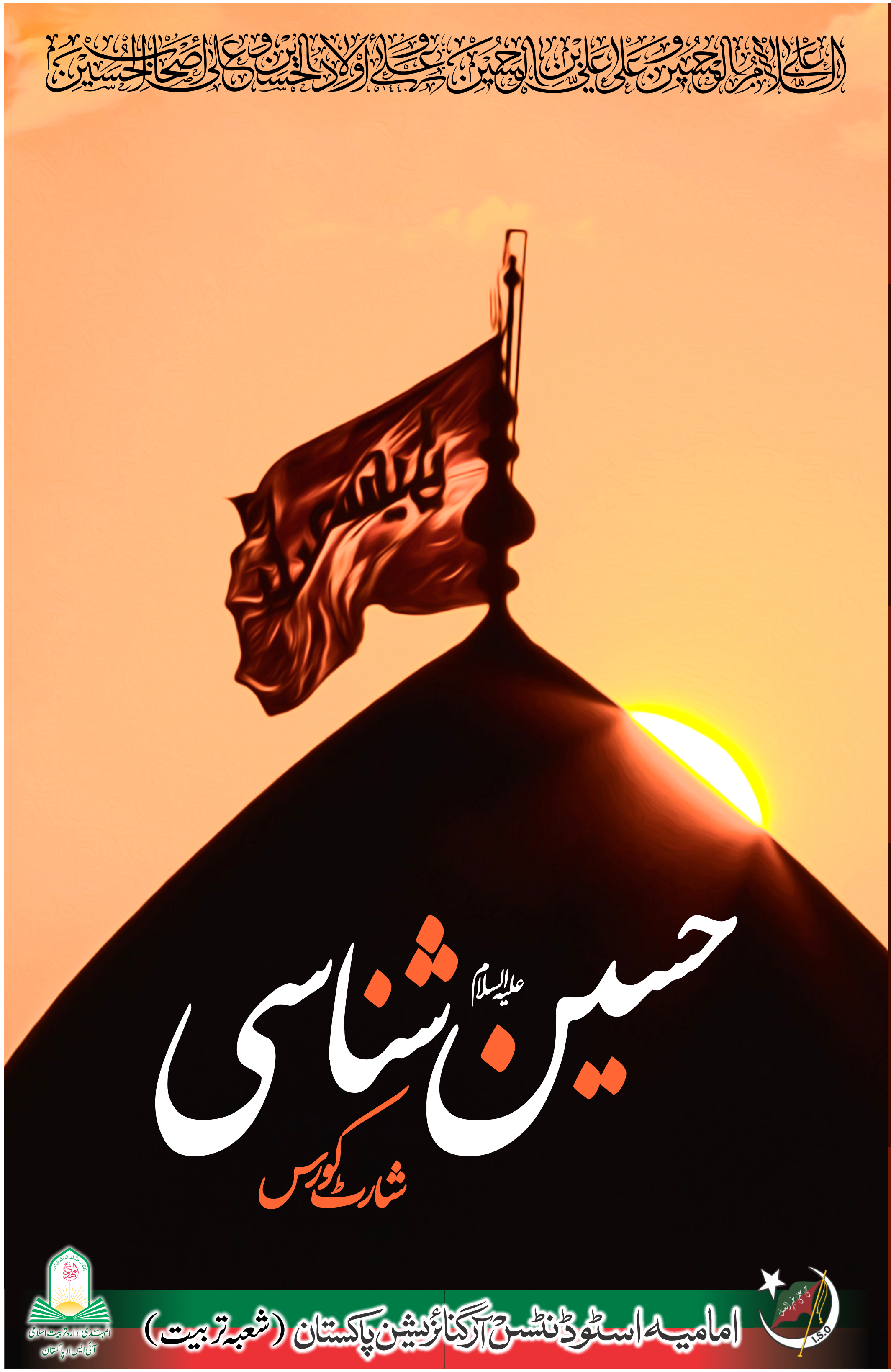

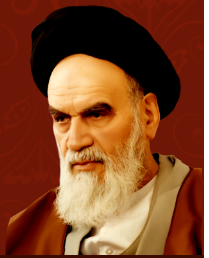

امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

محرم ایسا مہینہ ہے کہ جس میں عدالت نے ظلم کے مقابلے میں اور حق نے باطل کے مقابلے میں قیام کیا اور اس بات کو ثابت کیا کہ طولِ تاریخ میں ہمیشہ حق ہی باطل پر غالب آتا ہے، لہٰذا ہمیں بھی باطل کے مقابلے میں حق کی تحریک کو قوی تر کرنا چاہیے۔

رہبرِ معظم آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای حفظہ اللہ نے فرمایا:

آج عزاداری کے پروگرامات سو سال پہلے کے مقابلے میں، کہ جب ظاہراً آج جیسے (دین داری کے) مخالفین بھی موجود نہ تھے، زیادہ جوش وخروش زیادہ دلکش بارونق اور جذبہ سے بھرپور منعقد ہوتے ہیں۔ ان سب سے پتہ چلتا ہے کہ ایک حقیقت اور ایک تحریک ہے کہ جو امام حسینؑ کی سربراہی میں دنیا میں آگے بڑھ رہی ہے اور انشاء اللہ آگے بڑھتی رہے گی مشکلات کو حل کرے گی اور ملّتوں کی گتھیوں کو سلجھائے گی۔

بسم الله الرحمن الرحيم

دعائے امام زمانہؑ

اَللّٰھُمَّ کُنْ لِوَلِیِّکَ الْحُجَّةِ بْنِ الْحَسَنِ

صَلَوَاتُکَ عَلَیْهِ وَعَلٰی آبَائِهِ فِیْ هٰذِهِ السَّاعَةِ

وَفِیْ کُلِّ سَاعَةٍ وَلِیًّا وَحَافِظًا وَقَائِدًا وَنَاصِرًا وَ

دَلِیْلاً وَعَیْنًا حَتّٰی تُسْکِنَه اَرْضَکَ طَوْعًا وَ

تُمَتِّعَه فِیْهَا طَوِیْلاً

حسین علیہ السلام شناسی

شارٹ کورس

المہدی (عج) ادارہ تربیت اسلامی آئی ایس او پاکستان

فہرست

عنوان	صفحہ
قیامِ امام حسین علیہ السلام کا فلسفہ اور اس کے اہداف امام حسین علیہ السلام کی نظر میں	۶
امام حسین علیہ السلام کا وصیت نامہ	۸
بحث کا نتیجہ	۱۷
کوفہ والوں کی دعوت اور بیعت کا قیام عاشورا میں کردار	۱۸
امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے حالات کا جائزہ	۲۵
امام حسینؑ اور دیگر آئمہ علیہم السلام کے دور میں شرائط اور تقاضوں کا موازنہ	۳۶
امام حسین علیہ السلام اپنے خاندان والوں کو ساتھ کیوں لے کر گئے؟	۴۲
اہل بیت امام حسینؑ کی ہمراہی کے فوائد	۴۳
مکتبِ امام حسینؑ کی خصوصیات	۴۶
تحریکِ عاشورا کے درس	۳۹
مصیبت امام حسینؑ پر گریہ وزاری کرنے کا فلسفہ	۵۴
ہمیشہ زندہ رہنے والی تحریک کا راز	۶۰
اسیرانِ کربلا کا قیامِ عاشورا کی ترویج اور بقاء میں کردار	۶۴
بازار کوفہ میں امام سجاد علیہ السلام کا خطبہ	۶۷
حضرتِ زینبِ عالیہ صلوات اللہ علیہا کا خطبہ	۶۹
جناب امّ کلثوم سلام اللہ علیہا کا خطبہ	۷۱
دربار ابنِ زیاد میں پیشی	۷۲
جناب زینبِ کبریٰ (س) کا دربارِ یزید میں خطبہ	۷۴
دربار شام میں امام سجاد علیہ السلام کا خطبہ	۸۰

حسین علیہ السلام شناسی (شارٹ کورس)

کیا آپ جانتے ہیں؟

- امام حسینؑ کے قیام کے علل واسباب کیا تھے؟
- امام اپنے خاندان والوں کو ساتھ کیوں لے کر گئے؟
- امام حسنؑ نے صلح کیوں کی اور امام حسینؑ نے جنگ کیوں کی؟
- امام حسینؑ اور دیگر آئمہؑ کے دور کے شرائط وتقاضوں میں کیا فرق تھا؟
- مکتبِ امام حسینؑ کی خصوصیات کیا ہیں؟
- تحریک کربلا میں ہمارے لئے کیا دروس موجود ہیں؟
- امام حسینؑ کی تحریک کی ہمیشگی وجاودانگی کا راز کیا ہے؟
- مصیبتِ امام حسینؑ پر گریہ وزاری کرنے کا فلسفہ کیا ہے؟
- اسیران کربلا کا قیام عاشورا کی ترویج اور تحریک کربلا کی بقاء میں کیا کردار رہا؟

❁.....❁.....❁.....❁.....❁

بسم رب الشھداء والصدیقین

قیامِ امام حسین علیہ السلام کا فلسفہ اور اس کے اہداف
(امام حسین علیہ السلام کی نظر میں)

امام حسین علیہ السلام کے فلسفہ قیام اور اس کے اہداف کے بارے میں مختلف آراء پائی جاتی ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی ایک روشن اور واضح تصویر پیش نہیں کرتی اور بعض تو ان میں سے اس قیام کے اہداف اور مقاصد کے لئے بالکل مناسب اور اس کی شان کے خلاف ہیں۔ اگر کوئی تاریخ عاشورہ پر تحقیق کرنے والا شخص چاہے کہ اس قیام کی ماہیت کو صحیح طور پر سمجھ سکے تو اسے پہلا قدم یہ اٹھانا ہوگا کہ امام ع کی زندگی، شخصیت ان کے مقام اور امام معصوم کے مرتبے کے بارے میں لازمی اور ضروری شناخت حاصل کرنے کیلئے امام علیہ السلام کے خطبات، ان کی گفتگو کہ جو امام ع نے قیام کے مختلف مواقع پر کہ جس میں امام نے اپنے قیام کے انگیزہ اور ہدف کو بیان کیا ہے کو عمیق انداز میں مطالعہ کرے تا کہ وہ امام علیہ السلام کے فلسفہ قیام اور اس قیام کی ماہیت کو سمجھ سکے۔

اس مقدمہ کے ساتھ ایک بہترین اور مطمئن ترین سند کہ جو فلسفہ قیام امام حسین علیہ السلام اور سید الشہداء علیہ السلام کی نہضت اور اس کے اہداف کو سمجھنے کے لئے اہم ہے وہ خود امام حسین ع اور دیگر ائمہ کے اس بارے میں کلمات ہیں اسی طرح وہ خطبات، گفتگو اور امام حسین علیہ السلام کا وصیت نامہ کہ جو امام علیہ السلام سے صادر ہوا ہے اس قیام کے اہداف اور اس کے انگریزہ کو بیان کرتا ہے اس کے علاوہ امام علیہ السلام کے بارے میں نقل ہونے والے مختلف زیارت نامے اور

ان کی تعبیریں کہ جو دیگر ائمہ علیہم السلام سے نقل ہوئی ہیں ان میں بھی امام علیہ السلام کے قیام کے ہدف اور انگیزہ کو بیان کیا گیا ہے۔ ہم اس موضوع پر بعض موارد پر مطالعہ اور تحقیق کرتے ہیں اور ان میں سے امام علیہ السلام کے قیام کے اہداف کی فہرست کو استخراج کرتے ہیں اور اس کی تفسیر و توضیح اور تجزیہ و تحلیل کرتے ہیں۔

۱) امام حسین علیہ السلام نے مختلف اسلامی مناطق سے تعلق رکھنے والے علماء اور خواص کے ایک گروہ کو مخاطب کر کے مکہ میں پر جوش اور ہلا دینے والا خطبہ بیان فرمایا اور اس میں وہ بھاری اور اہم ذمہ داری کہ جو علماء اور خواص اور بزرگان شہر پر دین کی پاسداری، دین کی بنیاد، مسلمانوں کے اعتقادات، اموی حکمرانوں کے سیاہ کارناموں کے مدمقابل عائد ہوتی ہے کو بیان فرمایا اور ان اموی حکمرانوں کی دین ستیزانہ سیاست پر خاموشی پر تنقید کرتے ہوئے ان کی ہمراہی اور ان کے ساتھ سازباز کو ایک ناقابل معافی گناہ کے طور پر بیان کیا۔

امام علیہ السلام نے اپنی گفتگو کے آخر میں اس ظالم نظام اور ستمگر حاکم کے خلاف اقدامات اور فعالیت کے ہدف کو بیان کیا جس کو سال بعد ایک تحریک کی شکل میں شروع کیا اور اس طرح اعلان فرمایا:

عَنْ الْحُسَيْنِ علیه السلام أَللّٰهُمَّ إِنَّكَ تَعْلَمُ إِنَّهُ لَمْ يَكُنْ ما كانَ مِنّا تَنافُسا فى سُلْطانٍ وَ لاَ الْتِماسا مِنْ فُضُولِ الْحُطامِ وَلٰكِنْ لِنَرُدَّ الْمَعالِمَ مِنْ دينِكَ وَ نُظْهِرَ الأُصلاحَ فى بِلادِكَ وَيَأْمَنَ الْمَظْلُومُونَ مِنْ عِبادِكَ وَيُعْمَلَ بِفَرائِضِكَ وَ سُنَنِكَ وَ أَحْكامِكَ۔

خدایا تم جانتے کہ ہم نے جو کچھ انجام دیا طاقت حاصل کرنے کی خواہش سے نہیں تھا اور نہ ہی دنیا سے کچھ حاصل کرنے کے لئے بلکہ اس لئے کہ ہم تیرے مذہب کی نشانیاں (لوگوں کو دکھا سکیں) اور ان کو (ان کی جگہ) بحال کر سکیں اور تیری زمینوں کی اصلاح چاہتے ہیں تا کہ تیرے مظلوم بندوں کو سلامتی اور سکون ملے اور تیری تعیین کردہ واجبات، سنتیں اور احکام بحال ہو سکیں۔ (تحف العقول: ۲۳۹)

ان جملات پر توجہ کرنے سے امام حسین علیہ السلام کے اقدامات اور فعالیت کے بارے میں ہم چار اصلی اہداف کو سمجھ سکتے ہیں کہ جو انہوں نے یزید کی حکومت کے دور میں انجام دیئے۔

الف) حقیقی اور خالص اسلام محمدی کے مظاہر اور نشانیوں کو زندہ کرنا۔

ب) اسلامی مملکت میں لوگوں کی صورتحال کی اصلاح اور بھبود

ج) مظلوم عوام کی حفاظت کو یقینی بنانا۔

د) احکام الٰہی اور ان پر عمل درآمد کیلئے مناسب موقعیت ایجاد کرنا۔

۲) امام علیہ السلام نے مدینہ سے نکلتے وقت اپنے بھائی محمد بن حنفیہ سے وداع کرتے ہوئے ان کیلئے جو وصیت نامہ لکھا اس میں اپنے قیام کے ہدف کو اس طرح بیان فرمایا:

امام حسین علیہ السلام کا وصیت نامہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

هٰذٰا مٰا اَوۡصٰی بِهِ الۡحُسَیۡنُ بۡنُ عَلِیٍّ اِلٰی اَخیهِ مُحَمَّدِ بۡنِ الۡحَنَفِیَّةِ اَنَّ الۡحُسَیۡنَ یَشۡهَدُ اَنۡ لاٰ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَحۡدَهُ لاٰ شَرِیكَ لَهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبۡدُهُ وَ رَسُوۡلُهُ جٰاءَ بِالۡحَقِّ مِنۡ عِنۡدِهِ وَاَنَّ الۡجَنَّةَ حَقٌّ وَ النّٰارَ حَقٌّ وَ السّٰاعَةَ آتِیَةٌ لاٰ رَیۡبَ فِیۡهٰا وَاَنَّ اللّٰهَ یَبۡعَثُ مَنۡ فِی الۡقُبُوۡرِ وَ اِنِّی لَمۡ اَخۡرُجۡ اَشَرًا وَلاٰ بَطَرًا وَلاٰ مُفۡسِدًا وَلاٰ ظٰالِماً وَ اِنَّمٰا خَرَجۡتُ لِطَلَبِ الۡاِصۡلاٰحِ فِی اُمَّةِ جَدّی (ص) اُریدُ اَنۡ آمُرَ بِالۡمَعۡرُوفِ وَ اَنۡهٰی عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَ اَسِیۡرَ بِسیرَةِ جَدّی وَ اَبی عَلِیِّ بۡنِ اَبیطٰالِبٍ فَمَنۡ قَبِلَنی بِقَبُوۡلِ الۡحَقِّ فَاللّٰهُ اَوۡلٰی بِالۡحَقِّ وَمَنۡ رَدَّ عَلَیَّ هٰذٰا اَصۡبِرُ حَتّٰی یَقۡضِیَ اللّٰهُ بَیۡنی وَ بَیۡنَ الۡقَوۡمِ وَ هُوَ خَیۡرُ الۡحٰاکِمینَ وَ هٰذِهِ وَصِیَّتی اِلَیۡكَ یٰا اَخی وَمٰا تَوۡفیقی اِلاّٰ بِاللّٰهِ عَلَیۡهِ تَوَکَّلۡتُ وَاِلَیۡهِ اُنیبُ۔ (مقتل خوارزمی، ج1، ص8-18189)

''یہ حسین ابن علیؑ کی اپنے بھائی محمد ابن حنفیہ کو وصیت ہے کہ حسین گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے جو واحد ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اور محمدؐ اس کے عبد اور رسول ہیں جو

اس کی طرف سے برحق مبعوث ہوئے۔اور یہ کہ جنت حق ہے اور آگ (جہنم) حق ہے اور قیامت آنے والی ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے اور یقیناً اللہ انہیں زندہ کرے گا جو قبروں میں ہیں اور میں نے طغیان اور تکبر اور فساد کرنے اور ظلم کرنے کے لئے قیام نہیں کیا اور میں نے صرف اپنے نانا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں اصلاح چاہنے کے لئے قیام کیا ہے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا چاہتا ہوں اور اپنے نانا اور اپنے باپ علی ابن ابی طالبؑ کی سیرت پر چلنا چاہتا ہوں لہٰذا جس شخص نے اس حق کو مجھ سے قبول کرلیا (اور میری پیروی کی) تو اس نے اللہ کے راستے کو قبول کیا ہے اور جس نے مجھے ردّ کردیا (اور میری پیروی نہ کی) تو میں صبر کروں گا یہاں تک کہ اللہ میرے اور اس قوم کے درمیان فیصلہ کرے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔اور یہ میری وصیت ہے آپ کو اے میرے بھائی اور میری توفیق صرف اللہ کی طرف سے ہے، اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف (اپنے تمام معاملات میں) رجوع کرتا ہوں۔''

امام حسین علیہ السلام اس وصیت نامہ میں فرماتے ہیں:

وَ اِنّی لَمْ اَخْرُجْ اَشَرًا وَلاٰ بَطَراً وَلاٰ مُفْسِدًا وَلاٰ ظَالِماً وَ اِنَّمٰا خَرَجْتُ لِطَلَبِ الْاِصْلاٰحِ فی اُمَّةِ جَدّی (ص) اُریدُ اَنْ آمُرَ بِالْمَعْرُوفِ وَ اَنْهٰی عَنِ الْمُنْکَرِ وَ اَسیرَ بسیرَةِ جَدّی وَ اَبی عَلِیِّ بْنِ اَبیطٰالِبٍ۔

میں خودخواہی یا سیر وتفریح کے لئے مدینہ سے نہیں نکل رہا اور نہ ہی میرے سفر کا مقصد فساد اور ظلم ہے بلکہ میرے اس سفر کا مقصد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔اور میں چاہتا ہوں کہ اپنے اس سفر کے دوران امت کے مفاسد کی اصلاح کروں۔اپنے جد امجد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قوانین اور ان کی سنتوں کو زندہ کروں اور اپنے پدر بزرگوار علیؑ کا راستہ اور ان کا طرز عمل اپناؤں۔

امام حسین (ع) نے قبر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کھڑے ہوکر ایک اور مقام پر فرمایا:

اَللّٰهُمَ اِنّی اُحِبُّ الْمَعْرُوف وَ اُنکِرُ الْمُنکَرَ وَ اَسأَلُكَ یا ذَاالجَلالِ وَ الاِکرامِ بِحَقِّ هذَا

القَبرِ وَ مَن فیہِ اِلّا اختَرتَ لی ما ھُوَ لَکَ رِضیً وَ لِرَسُولِکَ رِضیً

''خدایا! میں معروف سے محبت کرتا ہوں اور مجھے برائی اور منکر سے نفرت ہے۔اے عظمت و وقار کے خدا، اس قبر اور اس شخص کے حوالے سے جو اس قبر میں موجود ہے، میں تم سے طلب کرتا ہوں کہ کوئی ایسا راستہ اختیار کروں جو تمہیں اور تمہارے نبی کو پسند ہو۔''(مقتل خوارزمی، ج1، ص186)

امام حسین علیہ السلام کی مختلف زیارات کہ جو آئمہ علیہم السلام سے نقل ہوئی ہیں ان میں یہ تعابیر بہت زیادہ استعمال ہوئی ہیں۔

أشْهدُ أنّكَ قدْ أقمْتَ الصّلاةَ، وآتيْتَ الزّكاةَ، وأمرْتَ بِالْمعْرُوفِ ونهيْتَ عنِ الْمُنْكرِ

''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ دی آپ نے نیک کاموں کا حکم دیا اور برے کاموں سے منع فرمایا''(کامل الزیارات:ص ۳۸۱)

ان عبارتوں سے استفادہ کرتے ہوئے امام حسین علیہ السلام کے قیام کیلئے درج ذیل اہداف کو بیان کیا جاسکتا ہے:

الف) اُمّتِ رسول خداؐ کے امور کی اصلاح

ب) امر بہ معروف

ج) نہی از منکر

د) رسول خداص اور امیر المومنین علی ع کی سیرت پر عمل پیرا ہونا۔جیسے نماز کا قیام، زکات کی ادائیگی۔

۳) امام حسین علیہ السلام نے وہ خط کہ جو مکہ میں اقامت کے دوران کوفہ کے اشرف اور بزرگان کے دعوت نامے کے جواب میں لکھا اور کوفہ والوں کو کوفہ آنے کے بارے میں بتایا اس خط میں اپنے قیام کا فلسفہ اس طرح بیان فرمایا:

فَلَعَمْرِی مَا الاِمامُ إلاَّ الْعامِلُ بِالْكِتابِ، وَ الأخِذُ بِالْقِسطِ، وَ الدَّائِنُ بِالْحَقِّ، وَ الْحابِسُ نَفْسَهُ عَلی ذاتِ اللهِ وَ السَّلامُ۔

''مجھے اپنی جان کی قسم! امام اور رہبر صرف وہی ہے جو کتاب خدا کے مطابق عمل کرتا ہے اور انصاف کی پاسداری کرتا ہے، دین حق کو قبول کرتا ہے اور اپنے آپ کو خدا کی راہ میں وقف کرتا ہے۔'' (الارشاد، شیخ مفید، ج ۲، ص ۳۹)

امام علیہ السلام اپنے اس خط میں اپنے قیام کا ہدف حکومت قائم کرنا بیان فرما رہے ہیں ایک ایسی حکومت کہ جس کا رہبر و پیشوا درج ذیل صفات اور امتیازات کا حامل ہو:

الف) کتاب خدا کی بنیاد پر حکم کرے

ب) معاشرے میں عدالت کو قائم کرے

ج) دین خدا کا معتقد اور متدین ہو۔

د) اپنے آپ کو خدا کی ذات اور اہداف الٰہی کے متحقق ہونے کیلئے وقف کرے۔

۴) حسین ابن علی علیہ السلام نے وہ خط کہ جو بصرہ کے بزرگان کو اپنی ہمراہی اور ساتھ دینے کی دعوت کیلئے لکھا اس میں اپنی تحریک کے اسباب اور اہداف کو اس طرح بیان فرمایا:

وَ أَنَا أَدْعُوكُمْ إِلى كِتابِ اللّهِ وَ سُنَّةِ نَبِيِّهِ (صلى الله عليه وآله)، فَاِنَّ السُّنَّةَ قَدْ أُميتَتْ، وَإِنَّ الْبِدْعَةَ قَدْ أُحْيِيَتْ۔

''اور میں آپ کو خدا کی کتاب اور اس کے نبی اکرم ص کی سنت کی طرف بلاتا ہوں، کیونکہ (اس گروہ کے ہاتھوں) رسول اللہ کی سنت تباہ ہو چکی ہے اور (مذہب میں) بدعت کو زندہ کیا گیا ہے۔'' (تاریخ الامم والملوک، طبری، ج ۵، ص ۳۵۷)

امام حسین علیہ السلام نے عبداللہ ابن مطیع کے جواب میں فرمایا:

ان اهل الكوفة كتبوا الى يسالوننى ان اقدم عليهم لما رجوا من احياء معالم الحق و اماتة البدع۔

''کوفہ کے لوگوں نے خط لکھے اور مجھ سے درخواست کی کہ میں ان کے پاس جاؤں، اس امید کے ساتھ کہ (میری رہبری و حکمرانی میں) حق کی نشانیوں کو زندہ اور بدعتوں کو نابود کیا

جا سکے۔'' (الاخبار الطوال، ابوحنیفہ دنیوری، ص ۳۶۴)

امام علیہ السلام نے اسی طرح بصرہ کے شیعوں کو ایک خط میں لکھا:

فَاِنِّی اَدْعُوکُمْ اِلی اِحْیاءِ مَعالِمِ الْحَقِّ وَ اِماتَۃِ الْبِدَعِ۔۔

(الاخبار الطوال، ابوحنیفہ دنیوری، ص ۳۴۲)

میں آپ کو حق کی نشانیوں کو زندہ کرنے اور بدعتوں کو ختم کرنے کے لئے دعوت دیتا ہوں۔

امام علیہ السلام کے ان تمام خطوط اور ان کے جوابات سے تحریک عاشورا کے لئے مندرجہ ذیل اہداف کو استخراج کیا جا سکتا ہے:

الف) کتاب خدا اور سنت رسول خدا ص پر عمل کی دعوت۔

ب) سنت پیغمبر ص کہ جو نابود ہو چکی تھی اس کو زندہ کرنا اور حق وحقیقت کے مظاہر کو برپا کرنا۔

ج) ان بدعتوں کا خاتمہ کرنا کہ جو احکام خدا اور سنت پیغمبر ص کی جگہ لے چکی تھیں۔

۵) ابا عبداللہ علیہ السلام نے وہ خطبہ کہ جو منزل بیضہ پر حر بن یزید ریاحی کے لشکر سے ملاقات کے موقع پر فرمایا اس میں رسول خدا صلی اللہ وآلہ وسلم کی حدیث کو مورد استناد قرار دیتے ہوئے اپنے قیام کے انگریزہ کو اس طرح بیان کیا۔

أَیُّهَا النّاسُ؛ إِنَّ رَسُولَ اللّهِ(صلی الله علیه وآله) قالَ »مَنْ رَأی سُلْطاناً جائِراً مُسْتَحِلاًّ لِحُرُمِ اللهِ، ناکِثاً لِعَهْدِ اللهِ، مُخالِفاً لِسُنَّةِ رَسُولِ اللهِ، یَعْمَلُ فِی عِبادِاللهِ بِالاِثْمِ وَ الْعُدْوانِ فَلَمْ یُغَیِّرْ عَلَیْهِ بِفِعْل، وَ لاَ قَوْل، کانَ حَقّاً عَلَی اللهِ أَنْ یُدْخِلَهُ مَدْخَلَهُ۔ أَلاوَ إِنَّ هؤُلاءِ قَدْ لَزِمُوا طاعَةَ الشَّیْطانِ، وَ تَرَکُوا طاعَةَ الرَّحْمنِ، وَ اَظْهَرُوا الْفَسادَ، وَ عَطَّلُوا الْحُدُودَ وَاسْتَأْثَرُوا بِالْفَیْءِ، وَ أَحَلُّوا حَرامَ اللّهِ، وَ حَرَّمُوا حَلالَ اللّهِ، وَ أَنَا أَحَقُّ مَنْ غَیَّرَ۔

''اے لوگو! خدا کے نبی (ص) نے فرمایا: جو شخص ظالم بادشاہ کو دیکھے کہ جو حرام خدا کو حلال کرے، خدائی عہد کو توڑے اور خدا کے رسول کی سنت کی مخالفت کرے، وہ خدا کے بندوں کے

درمیان گناہ اور ظلم کا مظاہرہ کرے۔ اور وہ اپنے قول وفعل سے اس کے مدمقابل قیام نہ کرے، تو خدا کیلئے سزاوار ہے اس کو اس ظالم بادشاہ (کی جگہ) عذاب میں ڈالے۔ اے لوگو! اس گروہ (بنوامیہ) نے شیطان کی اطاعت پر قائم رہ کر خدا کی نافرمانی کی ہے، فساد کو برپا کیا ہے اور خدائی حدود کی تعطیل کروادی ہے۔ انہوں نے، لوگوں کی بیت المال کو اپنے لئے مختص کرلیا ہے، حرام خدا کو حلال اور حلال خدا کو حرام کردیا ہے، اور میں (جو خدا کے رسول کی اولاد ہوں) (مسلمانوں کی) اس صورت حال کو بدلنے کے لئے سب سے زیادہ مستحق ہوں۔''

(تاریخ الامم والملوک، طبری، ج ۵، ص ۴۰۳)

اس خطبے سے امام حسین علیہ السلام کے قیام کے اسباب، بنوامیہ کے حکمرانوں بالخصوص یزید کے دین مخالف اقدامات کے خلاف قیام کو سمجھا جاسکتا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

الف) شیطان کی اطاعت اور فرمانبرداری اور اطاعت خدا کو ترک کردینا۔

ب) زمین پر کھل کر فساد کرنا۔

ج) احکام وحدود الہی کو ترک کردینا (احکام دین کی چھٹی کروادینا)۔

د) بیت المال کو اپنے لئے مختص کرلینا۔

ھ) حرام خدا کو حلال اور حلال خدا کو حرام کرنا۔

اسی لئے ہم امام حسین علیہ السلام کی زیارت میں گواہی دیتے ہیں کہ انہوں نے احکام الہی و سنت رسول خدا ص اور سنت امیر المومنین ع کو زندہ کیا ہے۔

امام صادق علیہ السلام نے عمار ابن موسیٰ ساباطی کو زیارت نامہ کی تعلیم دی اور فرمایا جب ہمارے جد حسین ابن علی علیہ السلام کی زیارت کو جاؤ تو اس طرح کہو:

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مَنْ رِضَاهُ مِنْ رِضَى الرَّحْمَنِ وَ سَخَطُهُ مِنْ سَخَطِ الرَّحْمَنِ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَمِينَ اللهِ وَ حُجَّتَهُ وَ بَابَ اللهِ وَ الدَّلِيلَ عَلَى اللهِ وَ الدَّاعِيَ إِلَى اللهِ أَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ حَلَّلْتَ حَلَالَ اللهِ وَ حَرَّمْتَ حَرَامَ اللهِ وَ أَقَمْتَ الصَّلَاةَ وَ آتَيْتَ الزَّكَاةَ وَ أَمَرْتَ

بِالْمَعْرُوفِ وَ نَهَيْتَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ دَعَوْتَ إِلى سَبِيلِ رَبِّكَ۔ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ
''آپ پر سلام ہوا ے خدا کی رضا سے راضی اور خدا کی ناراضگی میں ناراض ہونے والے آپ پر سلام ہوا ے خدا کے امانتدار خدا کی حجت، خدا کی طرف لے جانے والے باب اور خدا کی طرف بلانے والے میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے حلال خدا کو حلال بتایا اور حرام خدا کو حرام قرار دیا آپ نے نماز قائم کی زکوٰۃ دی ہے آپ نے نیک کاموں کا حکم دیا اور برے کاموں سے منع فرمایا آپ نے اپنے رب کے راستے کی طرف دانش مندی اور بہترین نصیحت کے ساتھ دعوت دی۔'' (مفاتیح الجنان، شیخ عباس قمی، زیارت مطلقہ امام حسین علیہ السلام، ص ۷۷۹)

اسی طرح ایک اور اور زیارت کے جملے میں نقل ہوا ہے کہ:

أَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ أَمَرْتَ بِالْقِسْطِ وَالْعَدْلِ وَ دَعَوْتَ إِلَيْهِما

''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے عدل وانصاف کا حکم دیا اور ان دو سچائیوں کی طرف دعوت دی۔'' (مفاتیح الجنان، ص ۸۰۳)

۶) امام ع جب مقام ''ذی حسم'' پر پہنچے تو وہاں پر دنیا کی بے وفائی پر خطبہ دیا اور آخر میں اپنے قیام کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

أ لاَ تَرَونَ أنَّ الحَقَّ لايُعمَلُ بِهِ ، و أنَّ الباطِلَ لايُتَناهى عَنهُ ، لِيَرغَبِ المُؤمنُ فى لِقاءِ اللّهِ مُحِقّا ، فإنّى لاأرَى المَوتَ إلاّ سَعادَةً ، و لاالحَياةَ مَعَ الظّالِمينَ إلاّ بَرَما

''کیا تم نہیں دیکھ رہے ہے کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا (بلکہ اسے چھپانے اور نابود کرنے کی کوشش کی جارہی ہے) اور باطل سے منع نہیں کیا جارہا (بلکہ سب اسکے سامنے سر خم کئے ہوئے ہیں اور کوئی اسکے خلاف آواز اٹھانے کے لئے تیار نہیں ہے) پس جب ایسا ماحول قائم ہو تو ایسی حالت میں مومن پر لازم ہے کہ وہ اپنے ربّ کے لقاء کی طرف رغبت پیدا کرے (یعنی ظالم کے اس ظلم کے خلاف قیام کرے)۔ کیونکہ ایسی موت میری نظر میں سعادت کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور ظالمین کے ساتھ زندگی گزارنا ذلت اور ننگ وعار ہے۔'' (تاریخ الامم والملوک، طبری، ج ۵، ص ۴۰۴)

امام علیہ السلام نے اپنے قیام کا ایک اور ہدف ذلت کو قبول نہ کرنا بیان فرمایا روز عاشور جب عبید اللہ ابن زیاد کیطرف سے امام حسین علیہ السلام کو قتل ہونے یا یزید کی بیعت کرنے میں سے ایک کو اختیار کرنے کی تجویز پیش کی گئی تو امام نے فرمایا:

أَلاوَإِنَّ الدَّعِيَّ ابنَ الدَّعِيِّ قَد رَكَّزَنِي بَينَ اثنَتَينِ بَينَ السُّلَّهِ وَالذِلَّةِ وَهَيهاتَ مِنّا الذِلَّةُ يَأبَى اللّه ذلكَ لَنا وَرَسولُهُ وَالمُؤمِنونَ۔

''اس کمینے کے بیٹے کمینے نے مجھے دو کاموں کے درمیان مخیر کر دیا ہے موت اور ذلت کی زندگی کے مابین اور بہت بعید ہے کہ میں ذلت کو قبول کروں۔'' (الاحتجاج طبرسی، ج ۲،ص ۹۹)

خدا اور اس کے رسول اور مومنین اس ذلت سے ہمیں دور دیکھنا چاہتے ہیں۔

پھر فرمایا:

وَهَيْهَاتَ مِنَّا اخذ الدَّنِيئَةُ يَأبَى اللّه ذلكَ لَنا وَرَسولُهُ وَالمُؤمِنونَ۔

''محال ہے اپنا تن پستی کے سپرد کروں خدا اور اس کے رسول اور مومنین اس ذلت سے ہمیں دور دیکھنا چاہتے ہیں۔'' (مقتل الحسین، خوارزمی: ج ۲،ص ۷)

یہاں پر جو نکتہ قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام ذلت کو قبول نہ کرنے کو، حکم خدا سیرت رسول خدا ص اور سیرت مومنین سمجھتے ہیں کیونکہ کہ حقیقی مومن خداوند تعالیٰ کے حکم کی پابندی کرتے ہوئے اور رسول خدا کی سیرت پر عمل کرتے ہوئے کبھی بھی ذلت کو قبول نہیں کرتا۔

امام حسین علیہ السلام نے ایک اور مقام پر فرمایا:

لاوَاللّهِ لاأُعطِيكُم بِيَدي إِعطاءَ الذَّليلِ وَلاأُفِرُّ فِرارَ العَبيدِ۔

''خدا کی قسم میں ذلیل خوار انسان کی طرح (بیعت کیلئے) اپنا ہاتھ ان (یزیدیوں) کے ہاتھ میں نہیں دوں گا۔ اور نہ غلاموں کی طرح فرار کروں گا۔'' (الارشاد، شیخ مفید، ج ۲،ص ۹۸)

اور پھر فرمایا:

موت فی عز خیر من حیاۃ فی ذل

''عزت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے۔'' (مناقب آل ابی طالب، ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۷۵)

امام حسین ع کی ان تمام فرمایشات سے مندرجہ ذیل اہداف کو اخذ کیا جا سکتا ہے:

الف) حق کی ترویج اور اس پر عمل پیرا ہونا۔

ب) باطل کی ترویج اور اس پر عمل پیرا ہونے سے روکنا۔

ج) دنیا کی ذلت کی زندگی کو قبول نہ کرنا اور آخرت کی سعادت مند زندگی کو انتخاب کرنا۔

۷) امام حسین علیہ السلام نے منزل ''ذوحسم'' کے مقام پر نماز عصر کے بعد حر کے لشکر کو مخاطب کر کے خطبہ دیا جس میں فرمایا:

اَیُّهَا النَّاسُ، فَاِنَّکُمْ اِنْ تَتَّقُوا اللهَ وَ تَعْرِفُوا الْحَقَّ لِاَهْلِهِ یَکُنْ اَرْضیٰ لِلّٰهِ عَنْکُمْ، وَ نَحْنُ اَهْلُ بَیْتِ مُحَمَّدٍ اَوْلیٰ بِوِلایَةِ هٰذَا الْاَمْرِ عَلَیْکُمْ مِنْ هٰؤُلاءِ الْمُدَّعِینَ ما لَیْسَ لَهُمْ۔

''اے لوگو! اگر تم تقویٰ الٰہی اختیار کرتے ہو اور حق (حکومت) کو ان کے اہل کا حق سمجھتے ہو تو یہ خدا کو زیادہ پسند ہے اور ہم ایسا خاندان ہیں کہ جو ان لوگوں کی نسبت حکومت کے زیادہ حقدار ہیں اور یہ لوگ جو اس حکومت کا ادعا کر رہے ہیں یہ ان کا حق نہیں ہے۔''

(تاریخ الامم والملوک، طبری؛ ج ۵، ص ۴۰۲)

امام حسین علیہ السلام کے اس فرمان سے پتہ چلتا ہے کہ حکومت تشکیل دینا اور معاشرے کی باگ ڈور سنبھالنا ان کے قیام کے اہداف میں سے تھا۔

۸) امام صادق علیہ السلام زیارت اربعین میں تحریک حسینی کے ہدف کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

وَ بَذَلَ مُهْجَتَهُ فِیكَ لِیَسْتَنْقِذَ عِبادَكَ مِنَ الْجَهالَةِ وَ حَیْرَةِ الضَّلالَةِ۔

''(اے خدا!) حسینؑ نے اپنی جان تیری راہ میں قربان کی تا کہ تیرے بندوں کو جہالت، گمراہی اور سرگردانی سے نجات دیں۔'' (مفاتیح الجنان، زیارت اربعین)

چھٹے امام علیہ السلام کی نگاہ میں سید الشہدا قیام عاشورا کے ذریعے ان اہداف کو حاصل کرنا چاہتے تھے۔

الف) مسلمانوں کو احکام دین سے بے خبری سے نجات اور پروردگار کی نسبت اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے سے آگاہ کرنا۔

ب) بندگان خدا کو گمراہی وجہالت سے نجات دینا، اور انہیں دین کے حقیقی رہبروں کی پیروی کی طرف لانا۔

بحث کا نتیجہ

امام حسین علیہ السلام کے خطبات اور فرمودات سے استخراج کئے گئے اہداف میں تھوڑی توجہ کرنے سے ملاحظہ کیا جاسکتا ہے کہ امام علیہ السلام نے اپنے قیام کا انگیزہ اور سبب اسلامی معاشرے میں رائج شدہ بہت سارے منکرات کے ساتھ مبارزہ اور جہاد اور مسلمانوں میں معروف کی ترویج کرنا بیان کیا ہے۔ بنابریں امام کے قیام کے اصلی اور بنیادی فلسفہ کو ایک اور جامع ہدف کی صورت میں ''اسلام اصیل و ناب محمدی کی ثقافت کو زندہ کرنا اور اپنے نانا رسول خداؐ کے دین میں ہونے والی تحریف اور بدعت کے گردوغبار کو برطرف کرنا'' کہا جاسکتا ہے۔ اس ہدف تک پہنچنے کے لئے امام نے جس راستے کا انتخاب کیا یا وہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا راستہ اور عنصر تھا اس لئے وصیت نامے میں کہ جو محمد بن حنفیہ کو لکھا۔

أُرِيدُ اَنْ آمُرَ بِالْمَعْرُوفِ وَ اَنْهٰى عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اَسِيْرَ بسيرَةِ جَدّى وَ اَبِى عَلَىِّ بْنِ اَبِيطَالِبِ۔۔۔

اور اسی طرح زیارت نامے میں بھی آیا ہے۔

أَشْهَدُ أَنّكَ قَدْ أَقَمْتَ الصّلاة، وآتَيْتَ الزّكاة، وأَمَرْتَ بِالْمَعْرُوفِ ونهيْتَ عنِ الْمُنْكَرِ۔

اس بنیاد پر امام حسین علیہ السلام نے اپنے قیام کا جو سبب اور ہدف بیان فرمایا وہ بنوامیہ کی حکومت کے ساتھ جہاد و مبارزہ تھا۔ کیونکہ بدعت کا رائج ہونا حلال خدا و حرام الٰہی کی مخالفت، پیغمبر کی سنت کا خاتمہ، شیطان محوری کا رائج ہونا اور خدا محوری کو ترک کر دینا، فساد، ظلم، بے عدالتی اور اسلامی معاشرے سے اسلامی احکام کا خاتمہ، مسلمانوں کے بیت المال کو اپنے لئے مختص کر لینا،

بیت المال کو لوٹ لینا، اور پورے معاشرے میں منکرات کا پھیل جانا اس چیز کا باعث تھا کہ امام اپنے آپ کو انہیں اس کام سے نہی کرنے اور روکنے کا ذمہ دار سمجھتے تھے اور ان کے مقابل خاموشی اور سکوت کو جائز نہیں سمجھتے تھے اگر چہ اس راستے میں ان کو جان ہی کیوں نہ دینی پڑے۔ اسی طرح اباعبد اللہ علیہ السلام کا اسلامی معاشرے کو کتاب خدا، سنت رسول ص، حق و حقیقت اور اسلامی مظاہرہ کی علامات اور نشانیوں کے احیاء، امنیت قائم کرنا، عوام کو فلاح و بہبود اور اصلاح کی طرف دعوت دینا اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ معروف نام کی شیء معاشرے سے ختم ہو چکی تھی یا کم از کم ختم ہونے کو تھی اور وہ اس ظالم اور فاسد حکومت کا سرچشمہ تھی اسی وجہ سے امام نے یزید کی بیعت سے انکار کر کے اموی حکومت کے خلاف قیام کے بدلے اپنی شہادت کے لئے آمادگی کا اعلان کیا اور دوسری طرف یزید کی حکومت گرا کر حکومت اسلامی کی تشکیل کی کوشش شروع کر دی۔ دراصل بیعت سے انکار نہی از منکر کے معنا میں معروف کی ترویج اور مسلمانوں کیلئے بدعتوں اور بنوامیہ کی جنایتوں کے خلاف سکوت کو حرام قرار دینے کیلئے اتمام حجت کرنا تھا۔ جیسا کہ معلوم تھا کہ بیعت یا حتی اس حکومت کے مدمقابل خاموشی منکر کی ترویج کے ساتھ ساتھ معروف کے خلاف مبارزہ بھی سمجھا جاتا۔ جو عام افراد کے لئے اموی حکمرانوں کا ساتھ ساتھ نہ دینے اور ان کی خباثتوں میں شامل ہونے کا بہانہ بھی بنتا۔ لہذا امام حسین علیہ السلام نے اپنی تحریک اور قیام کے ذریعے یزید کی جھوٹی اور غاصبانہ حکومت کی مشروعیت کو عمومی افکار سے سلب کر دیا۔

کوفہ والوں کی دعوت اور بیعت کا قیام عاشورا میں کردار

بعض مصنفین اور اندیشمند حضرات نے امام حسین علیہ السلام کو کوفہ والوں کا دعوت دینا اور امام علیہ السلام کی بیعت نہ کرنے کے مسئلے کو قیام امام ع کے ہدف اصلی کے طور پر بیان کیا ہے اور اس کو تحریک عاشورا اور قیام عاشورا کے اہم عوامل خیال کیا ہے۔ اور کوفہ والوں کی دعوت کی قیام امام حسین علیہ السلام میں دخالت اور اہمیت کو حد سے زیادہ اہم قرار دیا ہے اگر چہ ان کا بھی یہ عقیدہ ہے کہ یہ قیام کا اصلی اور بنیادی عنصر نہیں ہوسکتا۔

ان کے جواب میں ہم کہیں گے کہ کوفہ والوں کی دعوت کو ہم اپنے اصلی مقام پر رکھیں کیونکہ اسے قیام کے ایک اہم اور تعیین کنندہ سبب کے طور پر تصور نہیں کیا جا سکتا زیادہ سے زیادہ کوفہ والوں کی دعوت اور بیعت یہ دخالت رکھتی ہے کہ امام حسین علیہ السلام اس ذمہ داری اور اپنی تحریک کو جاری رکھتے ہوئے ان کی مدد کے لئے ان کی طرف چل پڑیں تا کہ امام اپنے الٰہی اہداف کو حاصل کرنے کے لئے موقع سے فائدہ اٹھائیں۔اور ان لوگوں کی رہبری اور ہدایت کی ذمہ داری لیں کہ جنہوں نے ان کے آنے اور حق کے راستے میں ان کی رہبری اور قیادت کے محتاج اور نیازمند ہونے پر اصرار کیا تھا۔جیسا کہ کوفہ والوں نے خطوط میں لکھا تھا کہ۔''ہمارے پاس رہبر و پیشوا نہیں ہے بس آپ ہماری طرف آئیں امید ہے کہ خداوند تعالٰی کی ذات آپ کے وسیلے سے ہمیں حق پر اکٹھا کر دے''۔انہوں نے اپنے خطوط میں تاکید کی تھی کہ جلدی ہماری طرف آئیں کیونکہ لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں اور آپ کے علاوہ کسی کو امام نہیں مانتے لہذا ہماری طرف آنے میں جلدی کریں۔۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ إِلَى الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ مِنْ شِيعَتِهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَ الْمُسْلِمِينَ أَمَّا بَعْدُ فَحَيَّهَلَا فَإِنَّ النَّاسَ يَنْتَظِرُونَكَ لَا رَأْيَ لَهُمْ غَيْرُكَ فَالْعَجَلَ الْعَجَلَ ثُمَّ الْعَجَلَ الْعَجَلَ وَ السَّلَامُ۔۔

لہذا کوفہ والوں کی دعوت کو امام حسین علیہ السلام کے قیام کے اسباب کے طور پر شمار نہیں کیا جا سکتا۔بلکہ کوفہ کا انتخاب کرنے کا سبب اپنے قیام کے مرکز کے طور پر کوفہ کو قرار دینا تھا۔

اس چیز کو ثابت کرنے کے لئے مندرجہ ذیل دلائل پیش کیے جا سکتے ہیں۔

دلیل اول: امام حسین علیہ السلام کو جب یزید کی بیعت کرنے کا کہا گیا تو امام نے صراحت کے ساتھ اعلان کر دیا تھا کہ وہ یزید کی بیعت نہیں کریں گے کیونکہ یزید کھلم کھلا فسق و فجور کا ارتکاب اور گناہ کبیرہ کو انجام دیتا ہے اور اس جیسا شخص کسی صورت بھی رسول خداص کی جانشینی اور امت اسلامی کی ولایت کے لئے شائستہ نہیں ہے۔جیسا کہ امام نے ولید بن عتبہ والی مدینہ کے

جواب میں فرمایا تھا:

۔۔ اَيُّهَا الْأَمِيرُ اِنَّا اَهْلُ بَيْتِ النُّبُوَّةِ وَ مَعْدِنُ الرِّسٰالَةِ وَ مُخْتَلَفُ الْمَلائِكَةِ وَ مَهْبَطُ الرَّحْمَةِ بِنٰا فَتَحَ اللّٰهُ وَ بِنٰا يَخْتِمُ، وَ يَزِيْدُ رَجُلٌ شٰارِبُ الْخَمْرِ وَ قٰاتِلُ النَّفْسِ الْمُحْتَرَمَةِ مُعْلِنٌ بِالْفِسْقِ وَ مِثْلى لا يُبٰايِعُ مِثْلَه

''۔۔اے امیر! ہم خاندانِ نبوت اور معدنِ رسالت ہیں۔ ہمارے گھر پر فرشتوں کی آمد و رفت رہتی ہے۔ اور ہمارے خاندان پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ اللہ تعالی نے اسلام کو ہمارے گھرانے سے شروع کیا اور آخر تک ہمیشہ ہمارا گھرانہ اسلام کے ہمراہ رہے گا۔لیکن یزید جس کی بیعت کی تم مجھ سے توقع کرر ہے ہو اُس کا کردار یہ ہے کہ وہ شراب خوار ہے۔ بے گناہ افراد کا قاتل ہے۔اس نے اللہ تعالی کے احکام کو پامال کیا اور برسرِ عام فسق و فجور کا مرتکب ہوتا ہے۔ مجھ جیسا شخص کسی صورت اُس جیسے شخص کی بیعت نہیں کرے گا''(مقتل خوارزمی، ج ۱،ص ۱۴۰)

امام علیہ السلام نے اس وقت یہ گفتگو فرمائی تھی کہ جب یزید ابھی تازہ تخت حکومت پر بیٹھا تھا اس نے مملکت اسلامی کے مختلف علاقوں میں اپنے والیوں کو خطوط لکھے تھے اور اپنے سفیر بھیجے تھے اور ان کو حکم دیا تھا کہ لوگوں سے اس کی بیعت لی جائے۔ اور اس نے والی مدینہ کے نام اپنے خط میں یہ تاکید کی تھی کہ خاص طور پر امام حسین ع، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر سے بیعت لے، کہ جنہوں نے معاویہ کی حکومت کے دوران یزید کی ولی عہدی کو قبول نہیں کیا تھا۔ اور اس نے ساتھ یہ بھی کہا تھا کہ اس مسئلے میں سختی کرے حسین علیہ السلام، عبداللہ ابن عمر اور عبداللہ بن زبیر کو گرفتار کرے ان کو نہ چھوڑے یہاں تک کہ وہ بیعت کریں۔ یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب ابھی کوفہ والوں نے امام علیہ السلام کو کوفہ آنے کی دعوت نہیں دی تھی۔

جس دن امام نے ولید کے دربار میں انکار کیا تھا اگلے دن صبح جب مروان ابن حکم سے ملاقات ہوئی اور مروان نے امام علیہ السلام کو تجویز دی تھی کہ وہ یزید کی بیعت کر لیں اور کہا تھا کہ یہ آپ کے دین اور دنیا کے مفاد میں ہے تو امام علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا:

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ وَ عَلَی الْاِسْلَامِ السَّلَامُ اِذَا بُلِیَتِ الْاُمَّۃُ بِرَاعٍ مِثْلِ یَزِیْدَ وَ لَقَدْ سَمِعْتُ جَدِّی رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یَقُوْلُ اَلْخِلَافَۃُ مُحَرَّمَۃٌ عَلٰی آلِ اَبِی سُفْیَانَ

''اب اسلام پر فاتحہ پڑھ لینی چاہیے چونکہ مسلمانوں کا حاکم یزید بن گیا ہے۔ ہاں، میں نے اپنے جدامجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ ''ابوسفیان کے خاندان پر خلافت حرام ہے۔''

(مقتل خوارزمی، ج۱، ص ۱۸۴)

لہٰذا سید الشہداء علیہ السلام نے صراحت کے ساتھ یزید کی خلافت کو امت اسلامیہ کے لئے بہت بڑی مصیبت کے طور پر بیان کیا اور فرمایا کہ اگر یزید کی خلافت جاری رہی تو اسلام ختم ہو جائے گا۔ عَلَی الْاِسْلَامِ السَّلَامُ۔ امام حسین علیہ السلام نے کئی مقام پر اسی طرح کی گفتگو فرمائی اور صراحت کے ساتھ اعلان کیا کہ کسی صورت میں بھی یزید کی بیعت نہیں کریں گے اگرچہ دنیا میں کوئی پناہ گاہ اور کوئی جگہ سر چھپانے کو نہ مل سکے۔ جیسا کہ اپنے بھائی محمد ابن حنفیہ کو فرمایا:

لَولم یَکُن فِی الدنیا مَلجَأ ولا مَأوًی لَمَا بَایَعتُ یَزِیدا۔ (مقتل خوارزمی، ج۱، ص۱۸۸)

واضح ہے کہ یزید کو فاسق جاننا اور اس کی بیعت سے انکار کرنا حکومت کے خلاف قیام کے معنا میں تھا۔ (درحالیکہ ابھی کوفہ والوں نے کوئی خط نہیں لکھا تھا) دوسری طرف بنوامیہ کی حکومت برداشت نہیں کر رہی تھی کہ امام حسین ع کی طرح کی شخصیت اور مقام و منزلت والی ہستی کھلم کھلا انکے خلاف قیام کرے اور مخالفت کا پرچم بلند کرے۔ کیونکہ اس طرح کی شخصیت کا آزادانہ مخالفت کرنا حکومت کو کمزور کرنے اور بالآخر اس کے خاتمے کا باعث بن سکتا تھا۔

دلیل دوم: پہلے خطوط جو کوفیوں نے امام حسین علیہ السلام کو لکھے تھے وہ یزید کے زمانہ خلافت کے ابتدائی ایام کے بعد لکھے تھے کہ جب امام اپنے قیام کا آغاز مکہ کی طرف خروج کی صورت میں کر چکے تھے اور امام اس وقت مکہ میں تھے۔ اسی دوران کوفہ والے سلیمان ابن صرد خزاعی کے گرد جمع ہوئے اور سلیمان نے انہیں کہا تھا حسین ابن علی علیہ السلام نے یزید کی بیعت

سے انکار کیا ہے اور مکہ کی طرف چل پڑے ہیں اور آپ ان کے بابا امیر المومنین علی علیہ السلام کے شیعہ ہیں پس اگر آپ لوگوں نے ان کی مدد کرنی ہے اور ان کے دشمنوں کے ساتھ جنگ کرنی ہے تو ان کو خط لکھو لیکن اگر آپ کمزوری اور سستی کی وجہ سے ڈر رہے ہو تو پھر انہیں دھوکا نہ دینا۔ سب نے کہا ہم امام حسین کے دشمنوں سے جنگ کریں گے اور اپنی جانوں کو ان کی راہ میں قربان کریں گے۔ تو سلیمان نے کہا تو بس امام حسین علیہ السلام کو خط لکھو اور انہوں نے امام علیہ السلام کو خط لکھے۔

لہٰذا امام علیہ السلام نے اپنے قیام کے آغاز میں کوفہ کی طرف سفر شروع نہیں کیا بلکہ جیسا کہ بیان ہوا ہے کہ ابتدا میں مکہ گئے اور پھر جب کوفہ والوں کے خط امام کو پہنچے تو امام نے جناب مسلم بن عقیل کو کوفہ والوں کی طرف بھیجا تا کہ وہ ان سے بیعت لے سکیں۔ جناب مسلم کے بیعت لینے کے بعد، امام کوفہ کی طرف چل پڑے۔ اور اگر کوفہ والوں کی دعوت امام علیہ السلام کے قیام میں بنیادی دخالت اور اثر رکھتی تو امام علیہ السلام اس عمل کے انگیزہ کو کم از کم اپنے قریبیوں مثلاً محمد ابن حنفیہ کو ضرور بتاتے لیکن تاریخی منابع میں اس طرح کی کوئی چیز نقل نہیں ہوئی۔ پس اگر کوفہ والوں کی دعوت حضرت امام حسین علیہ السلام کے قیام کا اصلی عامل یا سبب ہوتی تو امام علیہ السلام اس وقت جب ان کو شروع میں یزید کی بیعت کے لئے کہا گیا تھا کھلم کھلا یزید کی بیعت سے انکار نہ کرتے اور اس طرح کھل کر یزید کو فاسق وفاجر کے طور پر معرفی نہ کرتے اور بیعت کے معاملے کو موخر کرتے تا کہ کوفہ والوں کی دعوت سے باخبر ہوسکیں اور ان کی اپنی حمایت اور حکومت کے خلاف اپنے قیام کے لئے آمادگی ظاہر ہونے دیتے۔ اسی طرح اگر کوفہ والوں کی دعوت امام کے قیام میں بنیادی و اصلی عامل کے طور پر شمار ہوتی تو یہ فرمانا بے جا تھا۔

لَولم یَکُن فی الدنیا مَلجَأ ولا مَأوىً لَما بَایَعتُ یَزید۔

مجھے دنیا میں کوئی پناہ گاہ بھی نہ ملے تو بھی میں یزید کی بیعت نہیں کروں گا۔ بلکہ فرماتے کہ اگر مجھے مددگار و ناصر مل گئے تو میں یزید کی بیعت نہیں کروں گا۔

دلیل سوم: اگر کوفہ والوں کی دعوت امام علیہ السلام کی تحریک کو شکل دینے میں بنیادی سبب ہوتی تو لازم تھا کہ اس وقت تک جب تک امام علیہ السلام ان کے صد در صد حمایت اور ساتھ دینے کا یقین حاصل نہ کر لیتے تو ان کی دعوت کا جواب نہ دیتے۔ بہ تعبیر دیگر امام، عبداللہ بن عباس جیسے افراد کی نصیحت آمیز تجویز اور دلسوزی والی رائے پر عمل کرتے جیسا کہ ابن عباس کو جب امام علیہ السلام کے کوفہ جانے کے بارے میں پتا چلا تو امام علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے اور کہا کہ اگر کوفیوں نے اپنے امیر کو قتل کر دیا اور اس شہر کو اپنے اختیار میں لے لیا اور آپ کے دشمنوں کو اپنے شہر سے نکال دیا تو پھر آپ ان کی طرف جائیں۔ لیکن جب تک ان کا فرمانروا اور حاکم ان پر مسلط ہے اور اپنے عاملوں کو شہر سے مالیات لینے کے لئے بھیج رہا ہے اور ایسی صورتحال میں کوفہ والوں نے آپ کو آنے کی دعوت دی ہے تو درحقیقت ایسے لگتا ہے وہ آپ کو جنگ اور کشت و کشتار کی طرف دعوت دے رہے ہیں۔

دلیل چہارم: اگر کوفہ والوں کی بیعت امام علیہ السلام کے قیام کی وجہ اور سبب ہوتی تو امام علیہ السلام جب کوفیوں کی بیعت شکنی اور مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ کی شہادت سے آگاہ ہو گئے تھے تو امام اپنے قیام کو جاری رکھنے سے منصرف ہو جاتے۔ اور از باب اضطرار اور جان کی حفاظت کے لئے یزید کی بیعت کر لیتے۔ کیوں کہ آپ مددگاروں اور ہم پیمان افراد کو کھو بیٹھے تھے اور ان شرائط کے ساتھ شرعی ذمہ داری آپ سے ساقط ہو جاتی تھی لیکن تاریخی شواہد کے مطابق امام اپنے قیام کو جاری رکھنے سے منصرف نہیں ہوئے بلکہ جب مجبور کئے گئے تو کوفہ کی طرف جانے سے منصرف ہوئے۔ جب حر ابن یزید کے لشکر سے آمنا سامنا ہوا تو امام علیہ السلام نے دو مختلف موقعوں پر گفتگو میں فرمایا کیا کہ۔ ''اگر تم نہیں چاہتے کہ میں کوفہ آؤں تو میں لوٹ جاتا ہوں۔'' ایک بار نماز ظہر سے پہلے حر کے سپاہیوں سے خطاب کیا اور فرمایا۔ ''اگر تم میرے کوفہ آنے سے خوش نہیں ہو تو میں جس جگہ سے آیا ہوں وہاں لوٹ جاتا ہوں۔''

پھر دوبارہ نماز عصر کے بعد حر کے لشکر والوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ ''اگر تم (مجھے قبول نہیں

کرتے اور ہم سے خوش نہیں ہو اور ہمارے حق کو نہیں پہچانتے اور تمہاری رائے اور تمہارا رویہ اس چیز کے بالکل مخالف ہے کہ جو تم نے اپنے خطوط میں لکھا تھا اور تمہارے سفیر ہمارے پاس پیغام لے کے آئے تھے) تو ہم آپ کی طرف نہیں آتے۔''

امام علیہ السلام کی اس گفتگو پہ توجہ کریں کہ امام فرما رہے ہیں اور اگر تم ہمارے حق کو قبول نہیں کرتے اور اپنی سابقہ رائے سے پھر گئے ہو تو میں تمہاری طرف آنے سے منصرف ہو جاتا ہوں (نہیں آتا)۔ امام نے یہ نہیں فرمایا کہ میں اپنی تحریک اور اپنے قیام سے ہاتھ اٹھا لیتا ہوں یہ بھی بڑی واضح اور روشن دلیل ہے کہ کوفہ والوں کی دعوت، کوفہ کو قیام کے مرکز کے انتخاب کرنے کی وجہ تھی نہ کہ تحریک کربلا کی وجوہات میں سے ایک وجہ تھی۔ بنابرایں کوفہ والوں کی دعوت اور امام علیہ السلام کی کوفہ کی طرف حرکت دراصل ایک فرعی مسئلہ تھا کہ جو قیام کے دوران پیش آیا اور اصل میں تحریک حسینی کو شروع کرنے اور قیام کا سبب بننے میں اس کی کوئی دخالت نہیں تھی۔ جیسا کہ کوفہ والوں کی پیمان شکنی بھی امام علیہ السلام کی تحریک کو جاری رکھنے سے روکنے میں کوئی تاثیر نہیں ڈال سکی۔ درحقیقت امام حسین علیہ السلام کوفہ والوں کی دعوت کو قبول کر کے اور کوفہ کی طرف حرکت کر کے اپنی دونوں ذمہ داریوں کو انجام دے رہے تھے:

ایک) امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو جاری رکھنا اور فاسد، ظالم اور بدعت گزار حکومت کے خلاف قیام۔

دوسرا) شیعوں کی دعوت پر لبیک کہنا کہ جو شائستہ رہبر اور رہنمانہ ہونے کی وجہ سے امام سے تقاضا کر رہے تھے کہ وہ ان کی رہبری اور امامت فرمائیں۔

امام حسنؑ نے صلح کیوں کی اور امام حسینؑ نے جنگ کیوں کی؟

امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے حالات کا جائزہ

کیا امام حسین علیہ السلام کو امام حسن علیہ السلام کی صلح پر اعتراض تھا؟

سوال: کیا امام حسین علیہ السلام نے صلح نامے پر دستخط کیے تھے یا نہیں؟ کیا آپؑ کو صلح پر اعتراض تھا یا نہیں؟

جواب: تحقیق کے مطابق امام حسین علیہ السلام کے اس صلح نامے پر دستخط نہیں ہوئے، اس لئے کہ اس کی ضرورت ہی نہ تھی، کیونکہ اس وقت امام حسین ع ایک امامؑ کے تابع تھے وہ امام حسنؑ کے ماموم تھے۔ امام حسنؑ جو کام بھی کرتے آپؑ کو قبول تھا۔ آپؑ اس کے پابند تھے حتیٰ کہ ایک گروہ جو امام حسنؑ کی صلح کا مخالف تھا آپؑ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ ہمیں یہ صلح قبول نہیں، کیا ہم آئیں اور آپؑ کی بیعت کر لیں؟

فرمایا: نہیں۔ جو میرے بھائی امام حسن علیہ السلام نے کیا ہے میں اسی کا تابع ہوں۔

آیا از نظر تاریخ یہ بات سو فیصد مسلم ہے کہ امام حسینؑ نے شروع میں اعتراض کیا ہو کہ میں اس صلح کا مخالف ہوں، لیکن جب دیکھ لیا امام حسنؑ اس صلح کا مصمم ارادہ رکھتے ہیں تب تسلیم ہوئے؟ نہیں، کسی طرح کا اعتراض بھی امام حسینؑ کی طرف سے ظاہر نہیں ہوا۔

امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے زمانے کی شرائط

امام حسن ع کی صلح کا مسئلہ قدیم سے مورد اعتراض رہا ہے بعد میں بھی اور بالخصوص ہمارے دور میں اس مسئلہ پر زیادہ اعتراض کیا گیا ہے کہ امام حسنؑ نے کس طرح، کس بنیاد پر معاویہ سے صلح کی؟ خاص طور پر جب یہ تجزیہ کیا جاتا ہے کہ امام حسنؑ نے معاویہ کے ساتھ صلح کی درحالیکہ امام

حسین ع نے بیعت نہ کی اور یزید وابن زیاد کے مقابل تسلیم نہ ہوے، ہماری نظر میں ان لوگوں کے لئے اس میں اعتراض کا پہلو ہے جو اس مطلب کو گہری نظر سے نہیں دیکھ سکے ان کے لئے یہ دو علیحدہ علیحدہ روشیں ہیں، اسی لئے کچھ کہتے ہیں کہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے دو مختلف مقاصد و اہداف تھے امام حسنؑ طبعیت کے لحاظ سے صلح جو تھے جبکہ امام حسینؑ میدان جنگ کے شہسوار تھے، ہماری بحث یہ ہے کہ امام حسنؑ نے معاویہ کے ساتھ صلح کر لی اور دستخط کر دیئے جبکہ امام حسینؑ صلاح وتسلیم کے لئے راضی نہ ہوئے یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دو مختلف شخصیات تھیں اگر یہ فرض کر لیں کہ امام حسنؑ کی جگہ امام حسینؑ ہوتے تو پھر حالات کچھ اور ہی ہوتے، امام حسینؑ خون کے آخری قطرے تک جنگ کرتے، اسی طرح اگر کربلا میں امام حسینؑ کی جگہ امام حسنؑ ہوتے تو جنگ ہی نہ ہوتی، تو کیا نتیجہ نکلتا؟ یا یہاں شرائط مختلف ہیں، امام حسنؑ کے زمانے میں شرائط کا تقاضا یہی تھا اور امام حسینؑ کے دور کی شرائط کا اپنا تقاضا تھا۔

اگر ہم مختلف شرائط پر بحث کریں تو ایسی ہی بحث کریں کہ جو عام طور پر لوگوں کے درمیان موجود ہے کہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے دور امامت کی شرائط مختلف تھیں حقیقت میں امام حسنؑ کے دور کی مصلحت اندیشی کا تقاضا یہی تھا اور اسی طرح امام حسینؑ کا بھی، ہم اسے قبول کرتے ہیں اور اس پر بحث بھی کریں گے، البتہ بحث سے قبل اسلام کے بنیادی دستور جہاد پر بات کریں گے، کیونکہ دونوں مسائل کی بنیاد جہاد ہے امام حسنؑ نے جنگ ترک کی اور صلح کر لی۔ امام حسینؑ نے جنگ ترک نہیں کی اور صلح نہیں کی بلکہ جنگ کی، پس ہم جہاد کے بارے میں اسلام کی کلیات بیان کریں گے، جو بھی امام حسنؑ کی صلح پر بحث کرتے ہیں ہم نے نہیں دیکھا ہے وہ اس حوالے سے بھی بحث کرتے ہوں اس کے بعد ہم اس مسئلے پر بات کریں گے کہ امام حسنؑ کی صلح کس بنا پر تھی امام حسینؑ کی جنگ کی وجوہات کیا تھیں؟

صلح کیوں؟ جنگ کیوں؟

حکمیت کا مسئلہ بھی اسی طرح ہے کہ کیوں علی علیہ السلام نے اگرچہ خوارج آپؑ پر مسلسل دباؤ

ڈال رہے تھے، حکمیت کو قبول کیا اور جنگ جاری نہ رکھی؟ آپؑ قتل ہو جاتے حد اکثر یہی ہوتا جیسے آپؑ کے فرزند امام حسینؑ قتل کر دیئے گئے، ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے شروع میں جنگ کیوں نہ کی؟ حد اکثر یہی ہوتا کہ آپ قتل ہو جاتے جس طرح امام حسینؑ کر دیئے گئے، صلح حدیبیہ کیوں کی؟ حد اکثر یہی ہوتا کہ آپ قتل ہو جاتے جس طرح امام حسینؑ قتل کر دیئے گئے، یا ہم یہ کہیں کہ امیر المومنین نے بعد از پیغمبرؐ شروع میں جنگ کیوں نہ کی؟ کیا یہ بات درست ہے یا نہیں؟ پھر ہم امام حسنؑ کے دور اور صلح کی شرائط پر بات کریں گے، دیگر آئمہ اطہارؑ نے بھی امام حسنؑ کی صلح کی مانند زندگی گزاری! اصل مسئلہ یہ ہے، فقط امام حسنؑ کی صلح اور امام حسینؑ کی جنگ مسئلہ نہیں، اس مسئلے پر ہر حوالے سے بحث ہونی چاہیے۔

دونوں آئمہ کی زمانی شرائط میں فرق:

ہم امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے زمانے کی شرائط پر غور کرتے ہیں، دیکھتے ہیں کہ کیا شرائط دو طرح کی تھیں کہ اگر امام حسنؑ، امام حسینؑ کی جگہ ہوتے تو وہی کرتے جو امام حسینؑ نے کیا اور اگر امام حسنؑ کی جگہ امام حسینؑ ہوتے تو وہی کرتے جو امام حسینؑ نے کیا یا ایسا نہ کرتے؟ یقیناً ایسا ہی ہے، فقط ایک نکتہ عرض کرتا ہوں کہ اگر کوئی یہ پوچھے کہ آیا اسلام صلح کا دین ہے یا جنگ کا؟ ہم کیا جواب دیں گے؟ قرآن سے رجوع کرتے ہیں، ہم قرآن میں دیکھتے ہیں کہ جنگ کا دستور بھی قرآن میں موجود ہے اور صلح کا بھی، کفار اور مشرکین کے لئے جنگ کے بارے میں کئی آیات ملتی ہے ہیں۔

وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ

''اور جو لوگ تم سے لڑتے ہیں تم بھی خدا کی راہ میں ان سے لڑو مگر زیادتی نہ کرنا کہ خدا زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔'' (سورہ بقرہ، آیہ 190)

اسی طرح صلح کے بارے میں ہے:

وَاِن جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا

''اگر وہ صلح اور سلامتی کی طرف میلان رکھتے ہیں تو تم بھی ایسا کرو۔'' (سورہ انفال، آیہ 61)

ایک اور جگہ فرمایا:

وَ الصُّلْحُ خَيْرٌ ''اور صلح بہتر ہے'' (سورہ نساء، آیہ 128)

پس اسلام ان دونوں (جنگ یا صلح) میں سے کس کا دین ہے؟ اسلام نہ تو صلح کو ایک ثابت حکم کے طور پر قبول کرتا ہے کہ یہ کہا جائے کہ ہر جگہ جنگ ہوگی صلح نہیں ہوگی۔ جنگ و صلح ہر ایک شرائط کے تحت ہے، یعنی اس اثر کے تابع ہے۔ جو اس سے لیا جاتا ہے، مسلمانوں کو چاہیے پیغمبرؐ کا دور ہو یا امیر المومنین کا، امام حسنؑ اور امام حسینؑ کا دور ہو یا بقیہ آئمہ علیہم السلام کا ہر جگہ اپنے ہدف اور مقصد کو مدنظر رکھیں، وہ ہدف، اسلام اور مسلمانوں کے حقوق ہیں۔ وہ یہ غور کریں کہ تمام شرائط اور حالات حاضرہ کا جائزہ لے کر اگر جنگ اور مبارزہ کے ذریعے بہتر انداز میں اپنے ہدف تک پہنچ سکتے ہیں تو پھر اسے اختیار کر لیں یا احیاناً یہ تشخیص دے لیں کہ لڑائی جھگڑا ترک کر کے اور صلح کرنے سے بہتر اپنے ہدف تک پہنچ سکتے ہیں تو پھر صلح کا راستہ اپنائیں۔ یہ مسئلہ کہ جنگ یا صلح؟ دونوں درست نہیں دونوں شرائط کے تابع ہیں۔

صلح کا مقام اور جنگ کا مقام

ہم اس طرح سے اس مسئلے کو سمجھانا چاہتے ہیں کہ جو موارد جہاد کو جائز قرار دیتے ہوں اور منطقی لحاظ سے بھی درست ہوں اور جو موارد صلح کو جائز سمجھتے ہیں منطق کے لحاظ سے بھی درست ہوں۔ پھر ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ کیا امام حسنؑ کا کام صلح کی جگہ جہاد کرنا تھا اور امام حسینؑ کا کام جنگ کی جگہ صلح کرنا تھا؟ (کیونکہ یہ دونوں اسلام کے ستون ہیں جہاد اور صلح) یا ایسا نہیں تھا؟ امام حسنؑ نے جہاں صلح کرنا تھی صلح کی اور امام حسینؑ نے جہاں جہاد کرنا تھا وہاں جہاد کیا، جیسے امیر المومنین اور پیغمبرؐ نے مختلف موارد میں کیا یہ قطعاً درست ہے، پیغمبرؐ کے بلند مقام پر تو ہم بحث نہیں کر سکتے، کیونکہ پیغمبرؐ نے ایک جگہ صلح کی اور ایک جگہ جنگ کی۔

شرائط زمان امام حسن اور امام حسین علیہما السلام میں کیا فرق ہے؟

امام حسنؑ مسند خلافت پر تھے اور معاویہ بھی ایک حاکم کے عنوان سے موجود تھا۔ اگر چہ اس

وقت تک خود کو خلیفہ یا امیر المومنین کا عنوان نہیں دیا تھا اور وہ امیر المومنین پر ایک طاغی اور اعتراض کرنے والا تھا کہ میں علیؑ کی خلافت کو قبول نہیں کرتا۔ کیونکہ علیؑ نے خلیفہ عثمان کہ جو برحق خلیفہ تھا کے قاتلوں کو پناہ دی ہے، حتیٰ کہ خود بھی عثمان کے قتل میں شریک تھا۔ پس علیؑ مسلمانوں کے خلیفہ نہیں ہیں۔ معاویہ خود ایک اعتراض کرنے والا تھا برحق حکومت کو برحق نہیں سمجھتا تھا اس کے علاوہ اس کے ہاتھ سابقہ خلیفہ کے خون میں رنگے ہوئے تھے خلافت کا دعویٰ نہیں کیا تھا اپنے آپ کو امیر المومنین کا لقب نہیں دیا تھا۔ یہی کہتا تھا کہ ہم اس خلیفہ کی پیروی ہرگز نہیں کریں گے۔

امام حسنؑ امام حسینؑ کے حالات میں فرق

پہلا فرق: امام حسنؑ خلیفۂ وقت تھے جبکہ امام حسینؑ خلیفۂ وقت کیخلاف معترض

امام حسنؑ نے امیر المومنینؑ کے بعد مسند خلافت سنبھال لی جبکہ معاویہ روز بروز قدرت مند ہوتا رہا، بعض خاص تاریخی وجوہات کی بنا پر امیر المومنینؑ کی حکومت کے دور میں جب امام حسنؑ بھی اس حکومتی حالت کے وارث تھے تو اس دوران یہ حکومت داخلی طور پر کمزور ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ تاریخ میں موجود ہے کہ حضرت علیؑ کی شہادت کے اٹھارہ دن بعد یہ وہ مدت ہے کہ جب یہ خبر بڑی تیزی سے شام تک پہنچی اور بعد میں معاویہ نے جنگ کی تیاری کا حکم دیدیا۔ معاویہ عراق کو فتح کرنے کے لئے نکلا اس وقت امام حسنؑ مسلمانوں کے خلیفہ کی حیثیت سے تھے جس کے خلاف ایک باغی اور خودسر جنگ کے لئے آمادہ ہو، اس حالت میں امام حسنؑ کے قتل ہونے کا مطلب یہ تھا کہ مسلمانوں کے خلیفہ کا قتل اور مرکز خلافت کا شکست سے دوچار ہوجانا، امام حسنؑ کی آخری دم تک لڑائی کی مثال عثمان کی مانند تھی نہ کہ امام حسینؑ جیسے حالات تھے۔ امام حسینؑ موجودہ حکومت پر معترض تھے اگر وہ موجود حکومت کے مقابلے میں قتل ہو بھی جاتے جبکہ ایسا ہی ہوا اور قتل ہو گئے، اس طرح قتل ہونا قابل افتخار ہے۔

امام حسنؑ کے حالات امام حسینؑ کے حالات کے برعکس تھے۔ یعنی ایک مسند خلافت پر ہے جبکہ دوسرا معترض ہے (اعتراض کرنے والا) اگر قتل ہوتا ہے تو مسلمانوں کا خلیفہ مسند خلافت پر قتل

ہوتا ہے حتیٰ امام حسینؑ بھی یہ نہیں چاہتے تھے کہ جو مسند پیغمبرؐ پر خلیفہ کے عنوان سے بیٹھا ہے اسے قتل کر دیا جائے، کیوں؟ (یعنی مسندِ خلافت کی توہین ہوتی جیسا کہ فرمایا)

فرمایا یہ مکہ کا احترام ہے جو ختم ہو جائے گا، بہر حال مجھے قتل کر دیں گے، تو پھر کیوں مجھے خانہ خدا میں قتل کریں کیونکہ یہ خانہ خدا کی ہتک حرمت ہے۔

پس اگر امام حسنؑ مقابلہ کرتے تو آخر کار نتیجہ یہی رہتا جیسا کہ تاریخ سے بھی ثابت ہے کہ وہ قتل ہو جاتے، لیکن مسند خلافت پر امام اور خلیفہ کا قتل اور امام حسینؑ کا ایک معترض کی صورت میں قتل ہونے میں فرق ہے۔ امام حسینؑ اور امام حسنؑ کے حالات میں یہ فرق ہے۔

دوسرا فرق، اصحاب امام حسنؑ کی خیانت

دوسرا فرق یہ تھا کہ یہ کہنا درست ہے کہ عراق کی طاقت کمزور پڑ گئی تھی۔ یعنی کوفے کی طاقت کمزور ہو رہی تھی۔ البتہ اس طرح بھی نہیں تھا کہ پوری طرح کمزور ہو گئے تھے اگر معاویہ اسی طرح کاروائی جاری رکھتا تو بلاشبہ جس طرح پیغمبرؐ نے مکہ فتح کیا تھا وہ بھی ایسا ہی کرتا کیونکہ امام حسنؑ کے بہت سے اصحاب آپؑ سے خیانت کر چکے تھے اور کوفہ میں منافقین کی تعداد زیادہ ہو گئی تھی اور کوفہ کی حالت ایسی تھی جو بہت سے تاریخی حوادث کی وجہ بنی۔

کوفہ کا ایک بڑا مسئلہ خوارج کی پیدائش تھا، امیر المومنینؑ ان خوارج کو ان بے سروپا فتوحات کا موجب سمجھتے تھے، یہ لوگ تعلیم و تربیت حاصل کیے بغیر یکے بعد از دیگرے یہ فتوحات حاصل کر رہے تھے۔ جیسا کہ نہج البلاغہ میں درج ہے کہ جو لوگ تعلیم و تربیت سے دور رہے، وہ اسلام کو نہ پہچان سکے اسلامی روح سے آشنا نہ ہو سکے ایسے لوگ مسلمانوں کے درمیان چلے آئے بلکہ دوسروں سے زیادہ خود کو مسلمان سمجھتے تھے۔

بہر حال کوفہ میں ایسے چند لوگ ایک گروہ بنا چکے تھے، دوسری طرف ہم یہ اعتراف بھی کر سکتے ہیں کہ جو اخلاقی اصول و ضوابط اور انسانیت و دین ایمان کا پابند نہیں ہوتا اس کا ہر میدان میں ہاتھ کھلا ہوتا ہے معاویہ نے کوفہ میں ایک بڑی چھاؤنی بنا رکھی تھی اچھے خاصے پیسے خرچ کیے تھے،

کوفہ میں مسلسل جاسوسوں کو بھیجتا رہتا تھا ان کے ذریعے کافی پیسے لوگوں میں بانٹتا تھا جو لوگوں کے ضمیر خرید لیتے منفی پراپیگنڈے کی انتہا کر دی اور لوگوں کو روحانی طور پر خراب کر دیا۔ یہ سب اپنی جگہ پر اگر اس حالت میں امام حسنؑ میدان میں نکل آتے تو ایسا کرنے سے معاویہ ایک بڑے لشکر کا مالک بن جاتا شاید یہ لشکر تیس یا چالیس ہزار افراد پر مشتمل ہوتا، جس طرح کہ تاریخ میں لکھا ہے امام حسنؑ ایک لاکھ افراد کو جمع کر سکتے تھے کہ جو معاویہ کے لشکر جرار جن کی تعداد ڈیڑھ لاکھ تھی کا مقابلہ کر سکیں لیکن اس کا نتیجہ کیا ہوتا؟ جیسے جنگ صفین میں امیر المومنینؑ کہ جن کے لشکر کی طاقت دشمن سے زیادہ تھی، اٹھارہ ماہ تک معاویہ سے جنگ کی تا کہ معاویہ کو مکمل طور پر شکست دے سکیں لیکن قرآن بر سر نیزہ جیسی سازش تیار کی گئی اگر امام حسنؑ اس حالت میں جنگ کرتے تو مسلمانوں کے دو گرہوں کے درمیان چند سالہ جنگ شروع ہو جاتی اور بغیر کسی نتیجے کے دسیوں ہزار مسلمان دونوں طرف سے قتل ہو جاتے، یہ احتمال بھی موجود تھا کہ معاویہ جنگ جیت لے جس طرح تاریخ سے ثابت ہے زیادہ احتمال اس بات کا تھا کہ امام حسن ع شکست سے دوچار ہو جائیں گے۔ یہ امام حسنؑ کے لئے کیسے قابل فخر امر تھا کہ دو تین سال جنگ کریں اور اس جنگ میں دونوں طرف سے دسیوں ہزار یا اس سے بڑھ کر ایک لاکھ تک مارے جائیں اور دونوں لشکر بے حال ہو جائیں اور امام حسنؑ مغلوب ہو کر مسند خلافت پر قتل ہو جائیں، لیکن امام حسینؑ ایک ایسے لشکر کے ہمراہ ہیں جن کی تعداد 72 ہے اور آپؑ انہیں اجازت دے رہے ہیں کہ چلے جائیں، فرمایا: اگر تم جانا چاہتے ہو تو چلے جاؤ، میں تن تنہا ان کا مقابلہ کروں گا یہاں تک کہ قتل ہو جاؤں۔ ایسا قتل جو قابل فخر ہو۔

پس یہ دو فرق موجود ہیں، ایک یہ کہ امام حسنؑ مسند خلافت پر تھے، اگر قتل ہو جاتے تو مسلمانوں کا خلیفہ مسند خلافت پر قتل ہوتا، دوسرا یہ کہ امام حسنؑ کے لشکر کی تعداد کم از کم معاویہ کے لشکر کے برابر تھی اس جنگ کا نتیجہ یہ نکلتا کہ سال ہا سال مسلمان جنگ کرتے اور ہزاروں مسلمان کسی صحیح نتیجے پر پہنچے بغیر قتل ہو جاتے۔

قیام کے تین بنیادی عوامل

امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے دور میں تمام شرائط میں بہت زیادہ فرق تھا۔امام حسینؑ کے قیام میں تین بنیادی عوامل کارفرما تھے۔ان تینوں عوامل پر غور کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ امام حسنؑ کے دور میں ان تینوں عوامل کی اور شکل تھی، امام حسینؑ کے دور میں پہلا عامل یہ تھا کہ ظالم حکومت امام حسینؑ سے بیعت طلب کر رہی تھی ۔خذا الحسین بالبیعه اخذاً شدیاً لیس فی رخصة حسینؑ سے بیعت لینے میں سختی سے کام لو اور کسی قسم کی رعایت نہ برتی جائے۔بیعت لینا ضروری ہے۔

امام حسینؑ سے بیعت کرنے کا تقاضا کیا گیا،اس عامل کی رو سے امام حسینؑ کا جواب منفی تھا، کہ میں بیعت نہیں کروں گا۔امام حسنؑ نے کیا کیا؟ جب یہ طے پا گیا کہ معاویہ سے صلح کرنی ہے تو کیا معاویہ نے امام حسنؑ سے بیعت کا تقاضا کیا کہ تم میری بیعت کرو؟ (بیعت یعنی خلافت کو قبول کرنا) بلکہ صلح کی شرائط میں سے یہ تھا کہ بیعت کا تقاضا نہیں ہوگا، ظاہری طور پر کسی بھی مورخ نے یہ دعویٰ نہیں کیا امام حسنؑ یا ان کی طرف سے کوئی آیا ہو اور اس نے معاویہ کی بیعت کی ہو جیسے امام حسینؑ اور ان کے بھائی اور اصحاب اور امامؑ کے دوستوں نے بیعت کی ہو، بیعت کا کہیں پر ذکر تک نہیں ملتا، اس لئے بیعت ایک ایسا عامل ہے کہ جس نے امام حسینؑ کو شدت کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ کر دیا اور امام حسنؑ کی صلح میں اس کا کوئی دخل نہیں۔

امام حسینؑ کے قیام کا دوسرا عامل کوفہ کے لوگوں کی دعوت ہے، ایک ایسا شہر جو تیار ہو کوفہ کے لوگ معاویہ کے بیس سالہ مظالم سے تنگ آ چکے تھے اور اسے برداشت کرتے رہے اور حقیقت میں وہ بیتاب تھے، بعض اس بات کے معتقد ہیں کہ حقیقی طور پر کوفہ کے حالات صد در صد اس کام کے لئے تیار تھے کہ ایک غیر متوقع واقعہ نے حالات کا رُخ ہی بدل دیا۔کوفہ کے لوگوں نے بہت خط لکھے جو امام حسینؑ کو آمادہ کرنے کے لئے تھے، امام حسینؑ کوفہ آئے لیکن لوگوں نے آپؑ کی نصرت نہیں کی، البتہ سب یہی کہتے ہیں کہ حالات مکمل طور پر امامؑ کے حق میں نہیں تھے، البتہ اگر امام حسینؑ ان خطوط کے آنے پر اپنا پروگرام نہ بناتے تو تاریخ میں ہمیشہ کے لئے سوالیہ نشان بن

جاتے لوگ یہ کہتے کہ امامؑ نے ایک بہترین موقع ضائع کر دیا۔جبکہ امام حسنؑ کے لئے کوفہ کے حالات یکسر اس کے برعکس تھے کوفہ تھکا ماندہ اور ناراض شہر کی صورت اختیار کر چکا تھا، متفرق اور مردد شہر بن گیا تھا۔

ایسا شہر بن گیا تھا جہاں پر اختلافی عقائد کی جنگ برپا تھی، ایسا شہر تھا کہ امام علیؑ اپنی خلافت کے آخری ایام میں کوفہ کے لوگوں سے بار بار ان کی عدم آمادگی کی شکایت کرتے رہے اور مکرر یہ کہتے رہے خدایا! مجھے ان لوگوں کے درمیان سے اٹھا لے اور ان پر ایسی حکومت (حکمران) مسلط کر جس کے یہ اہل ہیں تاکہ بعد میں یہ میری حکومت کی قدر جان سکیں۔ یہ جو میں نے عرض کیا (کہ کوفہ کے لوگ امامؑ کی نصرت کے لئے تیار تھے) یعنی امام حسینؑ پر حجت تمام ہو چکی تھی یہ نہیں کہہ رہا کہ کوفہ کے لوگ حقیقت میں تیار تھے اور امام حسینؑ بھی اس عامل کو حقیقت سمجھ رہے تھے۔ ایسا نہیں بلکہ امام حسینؑ پر ایک عجیب اتمام حجت تھی، فرض کریں کہ کوفہ کے لوگ تیار نہیں تھے اس کے باوجود اس اتمام حجت کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔

تیسرا عامل جو امام حسینؑ کے قیام کی وجہ بنا وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تھا۔ اس سے قطع نظر کہ وہ امام حسینؑ سے بیعت طلب کر رہے تھے اور آپؑ اس بیعت سے انکاری تھے اس سے قطع نظر کہ کوفہ کے لوگ آپؑ کو دعوت دے رہے تھے اور امام حسینؑ پر حجت تمام ہو چکی تھی امام حسینؑ نے ان کے جواب میں اپنی آمادگی کا اعلان کیا۔ ان سب سے قطع نظر ایک مسئلہ ایسا بھی تھا جس کی وجہ سے آپؑ نے قیام کیا۔

یعنی اگر آپؑ سے بیعت کا تقاضا نہ بھی کرتے تب بھی آپؑ قیام کرتے۔ اگر کوفہ کے لوگ دعوت نہ دیتے پھر بھی قیام کرتے وہ مسئلہ کیا تھا؟ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔

امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے حالات کا موازنہ

جب ہم امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کے حالات کا موازنہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ کسی بھی طرح موازنہ کرنا ممکن نہیں آخری بات جو کرنے لگا ہوں وہ یہ ہے (کہ امام

حسین علیہ السلام کی منطق شمشیر برہنہ کی مانند تھی۔)

مَنْ رَای سُلْطاناً جائِراً مُسْتَحِلاً لِحُرُمِ اللهِ، ناکِثاً لِعَهْدِ اللهِ، مُخالِفاً لِسُنَّةِ رَسُولِ اللهِ، یَعْمَلُ فِی عِبادِاللهِ بِالاِثْمِ وَ الْعُدْوانِ فَلَمْ یُغَیِّرْ عَلَیْهِ بِفِعْلٍ، وَ لاَ قَوْلٍ، کانَ حَقّاً عَلَی اللهِ اَنْ یُدْخِلَهُ مَدْخَلَهُ۔

کہ اگر کوئی ظالم شخص کی حکومت کو دیکھے کہ وہ ناجائز کام کر رہا ہو اور ان کو دیکھ کر وہ چپ رہے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا شخص گناہ گار ہے۔

لیکن امام حسنؑ کے لئے ایسا مسئلہ نہیں تھا۔امام حسنؑ کے لئے حد اکثر یہی تھا کہ اگر یہ آ گئے تو بعد میں یہ کریں گے اور یہ بات کہ اگر یہ آ گئے تو ایسا کریں گے اس بات کے علاوہ ہے کہ انہوں نے ایک کام کیا ہے اور اب ہمارے پاس اس کے لئے سند اور حجت ہے۔

اسی لئے کہتے ہیں کہ امام حسن علیہ السلام کی صلح قیام حسینیؑ کا پیش خیمہ ثابت ہوئی،ضروری تھا کہ امام حسن علیہ السلام ایک عرصہ تک کے لئے خاموش ہو جائیں تاکہ اموی خاندان کی اصلیت اور حقیقت لوگوں پر آشکار ہو جائے اور اس کے بعد ایسا عالمگیر انقلاب آئے جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تاریخ انسانی کے ماتھے کا جھومر بن جائے ،معاویہ نے جب قرارداد کے اصولوں کی کھلے عام خلاف ورزی کی تو امام حسنؑ کے کچھ شیعہ آپ کی خدمت میں آئے اور عرض کی یا حضرتؑ اب وہ قرارداد خود بخود ختم ہو گئی ہے کیونکہ معاویہ نے خود ہی اسے منسوخ کر دیا ہے اور اس کے اصولوں کو پامال کر دیا ہے لہٰذا آپؑ اٹھیے،قیام فرمائیے۔

فرمایا: یہ انقلاب معاویہ کے بعد ہی آئے گا،یعنی آپ لوگ صبر کریں،ایک مناسب وقت کا انتظار کریں۔یہاں تک کہ صورتحال واضح ہو جائے ،وہی وقت قیام ہوگا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام حسنؑ معاویہ کے بعد تک زندہ رہتے تو آپؑ وہی کرتے جو امام حسینؑ نے کیا تھا۔آپ ہر صورت میں اعلانیہ طور پر علم جہاد بلند کرتے ،متذکرہ بالا قیام حسینی کے تین محرکات کا جائزہ لینے سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ امام حسنؑ کا زمانہ امام حسینؑ کے دور سے یکسر

مختلف تھا۔

ایک یہ کہ امامؑ سے بیعت طلب نہیں کی گئی اور دوسرے سے کی گئی دراصل بیعت کرنا بذات خود بہت بڑا مسئلہ ہے دوسرا یہ کہ امام حسینؑ کے لئے کوفہ کے لوگوں کی طرف سے حجت تمام ہوچکی تھی اور لوگ یہ کہنے لگے تھے کہ کوفہ بیس سال کے بعد بیدار ہورہا ہے۔معاویہ کے بیس سال بعد والا کوفہ اب وہ کوفہ نہیں رہا اب یہ علیؑ کے قدرشناس ہیں۔امام حسنؑ کے قدرشناس ہیں، امام حسینؑ کا نام لیا جاتا تو لوگ اشک بہانے لگتے، درختوں نے میوے دینے شروع کردیے ہیں اور زمین سرسبز ہوگئی ہے۔اب آپؑ آجائیں ہم ہر لحاظ سے تیار ہیں۔

یہ دعوت، امام حسینؑ کے لئے اتمام حجت تھی جبکہ امام حسنؑ کے لئے صورتحال اس کے برعکس تھی، جو بھی کوفہ کے حالات دیکھتا تھا تو یہ سمجھ لیتا تھا کہ کوفہ کسی کام کے لئے بھی تیار نہیں۔

تیسرا مسئلہ حکومت کا عملی فساد تھا (حکومت کے نظری فساد پر بات نہیں کروں گا کیونکہ نظری فساد ایک اور مطلب ہے) معاویہ امام حسنؑ کے دور میں اتنا آشکار نہیں ہوا تھا کہ اس کی ماہیت ظاہر ہوتی تاکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے زمین ہموار ہوتی۔لیکن امام حسینؑ کے دور میں صددرصد ایسے حالات تھے۔

امام حسنؑ کی وقتی صلح

معاویہ کے مرنے کے بعد حکومت کرنے کا حق امام حسن علیہ السلام کا ہوگا۔اور ان کے بعد امام حسین علیہ السلام مسند رسولؐ کے وارث ہوں گے۔اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صلح عارضی مدت کے لئے تھی کہ اب ہم جارہے ہیں لہٰذا تو جانے اور یہ خلافت جب تک جی چاہے حکومت کرتا رہے یعنی یہ صلح معاویہ کی زندگی تک تھی۔اس کے بعد یہ صلح خود بخود ختم ہوجائے گی اس لئے معاویہ کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ سازشوں کے جال بچھاتا پھرے اور نہ ہی وہ کوئی دوسرا شخص بطور خلیفہ معین کرسکتا ہے۔

دونوں آئمہ کی شرائط کا نادرست موازنہ

اگر امام حسین علیہ السلام، امام حسن علیہ السلام کی جگہ پر ہوتے تو آپ بھی وہی کرتے جو کہ آپ کے بڑے بھائی امام حسن علیہ السلام نے کیا تھا۔ اسی طرح امام حسن علیہ السلام معاویہ کے بعد تک زندہ رہتے تو آپ امام حسین علیہ السلام کی مانند قیام کرتے ان دونوں ہستیوں کا طرز زندگی اور حکمت عملی ایک جیسی تھی کیونکہ وہ ایک شجر کے ثمر تھے۔

امام حسن علیہ السلام کی صلح میں کوئی ایسا مسئلہ نظر نہیں آتا جس پر اعتراض کیا جائے کہ اگر موازنہ کریں کہ مسند خلافت پر امام حسن علیہ السلام وہ تمام اختلافات جو ہم نے بیان کیے اس کے باوجود اگر معاویہ کی موت کے بعد ہوتے تو صلح نامہ پر دستخط کر دیتے یعنی اگر امام حسن علیہ السلام معاویہ کے بعد زندہ رہتے تو امام حسین علیہ السلام کی مانند قیام نہ کرتے۔ کیونکہ شرائط مختلف تھیں اس طرح موازنہ کرنا درست نہیں ہے۔

امام حسینؑ اور دیگر آئمہؑ کے دور کے شرائط و تقاضوں میں کیا فرق تھا؟

امام حسینؑ اور دیگر آئمہ علیہم السلام کے دور میں شرائط اور تقاضوں کا موازنہ

امام حسینؑ کی روش کا دیگر آئمہ سے موازنہ

یہاں پر ایک سوال اٹھتا ہے کہ تمام آئمہ اطہار علیہم السلام شہید کیوں ہوئے ہیں؟ حالانکہ تاریخ ہمیں بتلاتی ہے کہ امام علی علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کے سوا کوئی بھی امام تلوار لے کر میدان جہاد میں نہیں آیا۔ امام سجادؑ خاموشی کے باوجود شہید کیوں ہوئے؟ اسی طرح امام محمد باقرؑ، امام صادقؑ، امام موسیٰ کاظمؑ اور باقی آئمہ شہید کیوں ہوئے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے یہ ہماری بہت بڑی غلطی ہوگی کہ اگر یہ سمجھیں کہ امام حسینؑ اور دیگر آئمہ طاہرین کے انداز جہاد میں فرق ہے؟ اسی

طرح کچھ ناسمجھ لوگ یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام ظالم حکمرانوں کے ساتھ لڑنے کو ترجیح دیتے تھے اور باقی آئمہ خاموشی کے ساتھ زندگی گزارنا پسند کرتے تھے۔درحقیقت اعتراض کرنے والے یہ کہہ کر بہت غلطی کرتے ہیں۔ ہمارے مسلمان بھائیوں کو حقیقت حال کو جانچنا اور پہچاننا چاہیے۔

دستور الٰہی

کافی (کتاب) میں معتبر سند کے ساتھ یہ صحیح حدیث جو صریس کنانی سے ہے کہتا ہے (حمران بن اعین شیبانی) نے امام باقر علیہ السلام سے عرض کیا قربان جاؤں ملاحظہ کیجئے جو امیر المومنین علیہ السلام اور حسنین علیہما السلام کے ساتھ ہوا،تحریک اور جہاد فی سبیل اللہ اور جو کچھ ہوا بالآخر قتل ہو گئے جابر حکمرانوں نے ایسا کر دکھایا اور مغلوب ہو گئے۔

حضرتؑ نے فرمایا جو کچھ بھی ہوا خدا نے اسے مقدر کیا ہوا تھا اور اسے خدا نے جاری کیا اور تائید کی اور یہ حتمی تھا علی وحسنؑ وحسین علیہم السلام فبتقدم علم ذلك اليهم من رسول الله کو جو دستور رسول خداؐ سے پہنچا تھا ہر امام نے جو سکوت اختیار کیا اسی دستور کی بنیاد پر تھا۔

دو آئمہ امام صادقؑ و امام حسینؑ کی زمانی شرائط کا تجزیہ

امام صادق علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کے زمانے میں زمین تا آسمان کا فرق ہے۔امام حسین علیہ السلام کا زمانہ پریشانیوں کا دور تھا۔اسی لئے آپؑ کی امامت کی مدت میں ظاہراً زیادہ احادیث وفرامین نقل نہیں ہوئے اس کے برعکس امام صادق علیہ السلام کے دور میں سیاسی اختلافات نے ثقافتی اور تعلیمی فرصت کی راہ ہموار کر دی کہ آپؑ کے چار ہزار شاگردوں کے نام ثبت ہیں۔لہٰذا اگر ہم فرض کریں (جبکہ یہ فرض غلط ہے) کہ امام صادقؑ کے حالات ایسے ہی تھے جیسے امام حسینؑ کے دور کے تھے جبکہ ایسا نہیں تھا ایک اور واضح فرق جو امام حسینؑ اور امام صادقؑ کے حالات کے درمیان موجود ہے وہ یہ کہ امام حسینؑ کی شہادت کے آثار بہت زیادہ ظاہر ہوئے ،اگر شہید نہ ہوتے تو کیا ہوتا؟ایک معطل وجود کی مانند جسے گھر میں نظر بند کر دیا گیا ہو۔اگر فرض

کریں کہ امام صادقؑ شہید ہوجاتے اور وہی نتائج جو امام حسینؑ کی شہادت سے برآمد ہوئے کیا برآمد ہو پاتے؟ لیکن شہید نہیں ہوئے بلکہ ایک ایسی علمی تحریک کی اسلامی دنیا میں رہبری کی جو تمام اسلامی دنیا میں فقط شیعہ کے لئے ہی نہیں بلکہ عالم اسلام کے لئے بھی موثر رہی۔

آئمہ کا قیام اور سکوت کی وجہ

یہاں ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ امام صادقؑ کی مشخصات اور خصوصیات کیا تھیں اور انہوں نے اپنی فعالیت اسلامی نقطہ نظر سے کس طرح جاری رکھی، اگر امام حسینؑ بھی اس دور میں ہوتے تو وہ بھی یہی کرتے، اس دور اور امام حسینؑ کے دور میں کیا فرق ہے؟ البتہ بحث یہ نہیں کہ حکومت سازی کا موقعہ تھا آپؑ نے فائدہ کیوں نہ اٹھایا؟ بات یہ ہے کہ امامؑ نے اپنے آپ کو قتل کیوں نہ ہونے دیا؟

ان دو آئمہ کی زندگی میں اسلامی دنیا کے حالات

امام حسینؑ کی شہادت اکسٹھ ہجری میں ہوئی اور امام صادقؑ کی شھادت 148 میں ہوئی ان دونوں آئمہ کی شھادت میں 87 سال کا وقفہ ہے۔ اس بناء پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان دو آئمہ کے زمانے میں 87 سال کا فرق ہے۔ اس دوران اسلامی دنیا کی حالت بالکل بدل چکی تھی، امام حسینؑ کے دور میں اسلامی دنیا کے لئے فقط ایک ہی مسئلہ تھا وہ تھا حکومت اور خلافت کا مسئلہ، تمام عوامل کو حکومت و خلافت ہی تشکیل دیتی تھی خلافت کے ذریعے ہی سب کچھ طے پاتا تھا یعنی جو اسلامی معاشرہ وجود میں آیا تھا اسی حالت پر ہی باقی تھا، بحث یہ تھی کہ خلافت کا حق دار کون ہے؟ اس لئے کہ خلافت کا مکمل اثر ونفوذ حکومت کے تمام شعبوں اور معاملات میں تھا، معاویہ کا سیٹ اپ ایک ڈکٹیٹر کی صورت میں تھا، یعنی اس نے اپنے دور کے مطابق شرائط وقوانین کے ذریعے ایسا ماحول بنا دیا کہ اس میں سانس لینا بھی دشوار تھا، اگر لوگ ایک دوسرے سے کچھ نقل کرنا چاہتے تو یہ حکومت کے برخلاف قدم قرار دیدیا جاتا، ایسا کرنا ناممکنات میں سے تھا، تاریخ بتاتی ہے کہ اگر کوئی ایک حدیث کسی کو بتانا چاہتا تھا اور وہ حدیث علیؑ کی فضیلت پر ہوتی اس وقت تک اسے نہیں بتاتا تھا

جب تک اسے سو فیصد یقین نہ ہو جائے کہ یہ راز فاش نہیں کرے گا، کہیں چھپ کر جاتے صندوق کھولتے اور اس کو نکال کر پڑھتے تھے، عجیب صورتحال بن کر رہ گئی تھی ہر جگہ نماز جمعہ میں امیر المومنینؑ پر لعن ہوتی تھی اور یہ بھی امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے سامنے امیر المومنینؑ پر مسجد پیغمبرؐ میں بر سر منبر لعن کرتے تھے۔ لہٰذا ہم یہ دیکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کی تاریخ یعنی حضرت علی علیہ السلام کی شہادت سے امام حسینؑ کی شہادت تک مجہول ہے، ایک مجہول تاریخ ہے، کوئی معمولی سا ذکر بھی امام حسینؑ کے بارے میں نہیں ملتا، کوئی خبر یا کوئی حدیث ایک جملہ، ایک مکالمہ، ایک خطبہ یا ایک ملاقات ہی نقل ہوئی ہو، ایسی صورتحال بنا کر رکھ دی گئی کہ کوئی بھی ان سے ملاقات نہ کر سکے امام حسینؑ اسی طرح پچاس سال اور بھی زندہ رہتے تو ایسے ہی حالات رہتے یعنی تین جملے بھی آپ سے نقل نہ ہوتے کیونکہ ہر طرح کی فعالیت آپؑ سے سلب کر لی گئی تھی۔ [البتہ امام حسنؑ کی صلح کے بعد اور بالخصوص امام حسنؑ کی شہادت کے بعد معاویہ کے خلاف احتجاج اور امام حسینؑ سے رجوع کیے جانے کے حوالے سے بہت سے حوالہ جات موجود ہیں اس کے علاوہ معاویہ پر اعتراض اور خطبہ منیٰ وغیرہ نقل ہوئے ہیں۔۔۔۔۔)

اگر امام صادق علیہ السلام نہ ہوتے۔۔۔؟

یعنی وہ کیسے حالات یا ماحول تھا جو امام صادق علیہ السلام کو میسر آیا لیکن امام حسین علیہ السلام کو نہیں؟ سید الشہداء یا پوری زندگی گھر میں گزار دیتے۔ رہن سہن کا بندوبست کرتے اور اللہ کی عبادت کرتے حقیقت میں زندانی رہتے یا قتل ہو جاتے، لیکن امام صادق علیہ السلام کے لئے ایسے حالات نہیں تھے کہ یا تو قتل ہو جائیں یا پھر خانہ نشین ہو جائیں بلکہ یا قتل ہو جائیں یا پھر موجودہ شرائط میں رہتے ہوئے فعالیت دکھائیں، کام کریں۔ ہم اس مطلب کو روشن کریں گے کہ بعد میں آنے والے آئمہ نے امام حسین علیہ السلام کے قیام کو کیسے اہمیت دی اور روشن کیا۔ ہم اسے درک نہیں کر سکے اگر امام صادقؑ نہ ہوتے، امام حسین علیہ السلام کی تحریک اتنی روشن اور ثابت نہ رہتی، اس کے باوجود امام صادق علیہ السلام نے حکومت اور خلافت پر اعتراض نہ کیا، لیکن سب جانتے

ہیں کہ امام صادق علیہ السلام نے خلفاء کی تائید بھی نہیں کی ،مخفیانہ طور پر مبارزہ جاری رکھا،سرد جنگ جاری رہی ،خلفاء کے عیب مظالم پوری دنیا میں امام صادق علیہ السلام کے وسیلے سے عیاں ہوئے اسی لئے منصور آپؑ کے بارے میں ایک عجیب تعبیر بیان کرتا ہے کہتا ہے: **هذا الشجیٰ معترض فی الحلق** جعفر بن محمد میرے گلے میں ایک ہڈی کی مانند ہے، نہ میں باہر نکال سکتا ہوں اور نہ ہی نگل سکتا ہوں ، نہ ہی کوئی ایسا الزام لگا کر انہیں سزا دے سکتا ہوں اور نہ ہی میں یہ برداشت کرسکتا ہوں ، میں اس حقیقت سے آگاہ ہوں کہ جس مکتب کے لئے یہ کام کر رہے ہیں ہمارے خلاف ہے کیونکہ اس مکتب سے جو بھی استفادہ کرے گا ہمارے خلاف ہوگا۔

لیکن میرے ہاتھ میں کوئی بھی ایسا ثبوت نہیں ہے کہ اس کے خلاف کاروائی کرسکوں، یہ منصور کی تعبیر ہے کہ ہڈی میرے گلے میں ہے نہ باہر نکال سکتا ہوں اور نہ ہی نگل سکتا ہوں۔

امر بالمعروف کی شدید ترین نوعیت

قرآن میں ہے:

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ (بقرہ:۱۲۹)

انہیں تیری آیات سنائے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور انہیں

اسی طرح: **لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (الحدید:۲۵)**

”تا کہ لوگ عدل قائم کریں“

اسی طرح فرمایا:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ (احزاب:۴۵،۴۶)

”اے نبی! ہم نے آپ کو گواہ اور بشارت دینے والا اور تنبیہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے اور اس (اللہ) کے اذن سے اللہ کی طرف دعوت دینے والا۔“

تمام آئمہ اطہار امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے تھے، اس کی سب سے زیادہ شدید شکل قیامِ امام حسینؑ میں موجود ہے اور اس کی ایک دوسری شکل علم کا نشر کرنا ہے جس کا نمونہ امام صادق

علیہ السلام کا مکتب ہے۔

امام حسین علیہ السلام کا زمانہ

جو لوگ روح، عقل اور مستقیم فکر کے مالک ہیں اور موضوع شناس بھی ہیں اور زمانے کے تقاضے بھی درک کر سکتے ہیں وہ بہتر انداز میں اس بات کو سمجھ سکتے ہیں کہ اسلامی مصلحت کا تقاضا کیا ہے کہ ایک ایسا وقت ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی تحریک قیام بالسیف (تلوار) کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور ایک وقت ایسا ہے کہ امام صادق علیہ السلام کی تحریک تعلیم وارشاد اور عمومی تعلیمات اور فکری تبدیلی کے لئے آمادہ ہے۔

سید الشہداءؑ کی زیارت کی اہمیت

امامؑ سے سوال کیا جاتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی زیارت کرنا کیسا ہے؟ فرمایا: مستحب ہے، ایک اور امامؑ سے یا اسی امامؑ سے کسی اور وقت یہی سوال کیا گیا فرمایا: واجب ہے یا اس طرح سے کہا کہ اس کا مفہوم یہ تھا کہ واجب ہے (مثلاً کہا کہ) ضروری ہے کہ ایسا کریں۔ اسے ترک نہ کریں، ممکن ہے کہ ایک وقت ایسا سوال پھر کسی نے کیا ہو تو امامؑ نے (ہوسکتا ہے یہ کہا ہے) تمہاری مرضی ہے جاؤ یا نہ جاؤ۔

ایک عام سادہ طبعیت کا انسان کہتا ہے کہ جواب میں اختلاف موجود ہے، کہ ایک جگہ تو یہاں تک کہا کہ واجب ہے ،ایک جگہ یہ کہا کہ مستحب موکدہ ہے اور ایک جگہ مستحب غیر موکد (تاکید) کے طور پر کہا ہے۔

لیکن ایسا نہیں یہ تعارض نہیں ہے، یہ سب شرائط کا اختلاف ہے، بعض اوقات معمولی شرائط تھیں۔ خود زیارت قبر پیغمبرصؐ و امامؑ حتیٰ کہ تمام اولیاء کی زیارت اس لئے ہے کہ تجدید ہو جائے یہ ایک تربیتی عامل ہے اور فی حد ذاتہ مستحب ہے لیکن یہی مستحب ایک موقع پر مباح بھی ہو جاتا ہے ایک مرتبہ واجب ہو جاتا ہے مثلاً متوکل کے زمانے میں حالات کشیدہ تھے اور بہت زیادہ سختی تھی سازش یہ تھی کہ امام حسینؑ کی زیارت گاہ کا خاتمہ کیا جائے، یہاں آئمہ تشخیص دیتے ہیں کہ اس روش

کا مقابلہ کیا جائے ،ایک جدید مسئلہ پیش آتا ہے کہ خلیفہ وقت کے طرز عمل کے خلاف کام کرنا ہے یہاں دستور دیتے ہیں کہ واجب ہے اور واقعاً تھا۔لہذا زمان و مکان کی شرائط کے ساتھ آئمہ علیہم السلام کی روش اور دستورات میں تبدیلی آتی رہتی ہے لیکن ہدف کو حاصل کرنے کی کوشش جاری رہی ہے۔

امام حسین علیہ السلام اپنے خاندان والوں کو ساتھ کیوں لے کر گئے؟

سب سے پہلے تو یہ جان لیں امام حسین علیہ السلام اپنے گھر والوں کو کوفہ جنگ کے لئے نہیں لے کر گئے تھے تا کہ یہ پوچھا جائے کہ امام اپنے گھر والوں کو کربلا کیوں لے کر گئے تھے تا کہ قید ہو جائیں بلکہ حضرت کوفہ گئے تھے تا کہ وہاں سے اپنے جد کی سنت کو احیا کریں اور وہاں زندگی گزارنے کے لئے اپنے بیوی بچوں کو ہمراہ لے کر گئے تھے اور واضح ہے کہ ایسے راستے میں اپنے بیوی بچوں کو ساتھ لے کر جانا ایک طبیعی امر ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ آپ تو جانتے تھے کہ وہاں دشمنوں نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے تو کیوں نہ اپنے خاندان کو اپنے گھر والوں کو ایک محفوظ مقام پر منتقل کر دیا؟

اس کے جواب میں عرض کرتے ہیں کہ آیا امام حسین علیہ السلام کا اپنے گھر والوں کو ساتھ لے جانے میں کوئی عظیم مصلحت درکار تھی یا نہیں؟ یا آیا وہ خود اصرار کر رہے تھے کہ امام کے ساتھ جائیں گے اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ امام کے گھر والوں کا ساتھ ہونا اسلام کے لئے کوئی بہت مثبت رول ادا نہیں کرتا اس کے باوجود ان کو ساتھ لے کر جانا نامناسب نہ تھا کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ حضرت کے ساتھ رہیں اور چند دفعہ حضرت نے اس سفر میں اعلان کیا کہ جو مجھ سے جدا ہونا چاہتا

ہے وہ واپس چلا جائے تو ان میں سے ایک بھی واپس نہ گیا۔ اور کسی نے بھی یہ پسند نہ کیا کہ امام کو چھوڑ کر واپس چلا جائے بلکہ کئی جگہوں پر جب امام نے کہا کہ ان کے ساتھ آنے کی کوئی ضرورت نہیں واپس جا سکتے ہیں تو یہ ناراض ہو جاتے۔ کربلا میں پہنچ کر بھی اور اس کے بعد بھی کسی نے یہ نہیں کہا کہ کاش میں ساتھ نہ آیا ہوتا۔

لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر بالفرض ان کے ساتھ آنے میں کوئی خاص فائدہ یا نقصان نہیں تھا وہ اپنی مرضی سے آئے تھے اور خود انہوں نے اس مشکلات والے سفر کو انتخاب کیا تھا اور اس رنج و سختی کو اٹھانے کے لئے راضی تھے بلکہ خوش حال تھے۔ امام کے خاندان کی امام کے ساتھ محبت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت ابوذر کا غلام جون جو انہوں نے حضرت امام حسینؑ کو ہدیہ کیا تھا جب امام نے اسے اجازت دی کہ وہ واپس چلا جائے اور زندہ بچ جائے تو بجائے خوش ہونے کے اس نے گریہ کرنا شروع کیا اور خدا کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ میں ہرگز آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ میرا سیاہ خون آپ کے خون میں مل جائے جب ایک نوکر کی یہ حالت ہے تو یہیں سے اندازہ لگالیں کہ ان کے خاندان والوں کی ان کے ساتھ محبت اور تعلق کا کیا عالم ہوگا۔ یا عبداللہ بن حسن کے جو انتہائی کم سن تھے اپنے چچا کا دفاع کرنے کے لئے خیمے سے نکلے اور جب ایک ظالم آپ پر تلوار کا وار کر رہا تھا اس بچہ نے اپنا ہاتھ آگے کر لیا تا کہ امام کا دفاع کر سکے اور اس کا ہاتھ کٹ گیا یہ ایک اور نمونہ ہے امام علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ محبت کا کہ جو امام کی خوش رفتاری اور ان کے احترام کی وجہ سے ان سے کی جاتی تھی۔

اہل بیت امام حسینؑ کی ہمراہی کے فوائد

1) واضح ہے کہ اگر امام اپنے بیوی بچوں کے بغیر 72، 100 یا 500 فوجیوں کے ہمراہ بھی آتے تو دشمن بہت آسانی کے ساتھ انہیں باغی، مفسد اور خارجی قرار دے کر قتل کر دیتے اور ایسی صورت میں ان کا قتل ہوتا کہ اس کا کوئی بھی اثر تاریخ کے صفحات پر نہ اُبھرتا۔

2) اگر امام اپنے گھر والوں کو اپنے ساتھ نہ لے کر جاتے تو بھی حکومتی لشکر ان کو شہید کر دینے کے بعد فاتحانہ انداز میں مکہ یا مدینہ (یا جہاں ان کا خاندان ہوتا) پر حملہ کرتا اور دوسروں پر اپنی دھاک بٹھانے کے لئے ان کے گھر والوں کے ساتھ ہر قسم کے ظلم اور جنایت کا ارتکاب کرتا اور ان کو قتل کر کے دوسروں کے لئے عبرت کا نشان بنا دیتا ہے۔ جیسا کہ واقعہ حرہ میں ایسا ہوا۔

(حاکم مدینہ نے مدینہ کے بزرگوں کو یزید کے ساتھ ملاقات کے لئے بھیجا یزید نے ان کا بہت زیادہ احترام کیا لیکن وہ لوگ جو کہ مہاجرین اور انصار کی اولاد تھے جب انہیں یزید کی برائیوں کا علم ہوا کہ یزید کھلم کھلا شراب خواری کرتا ہے کتوں سے کھیلتا ہے اور گانے بجانے کی محافل برپا کرتا ہے تو انہوں نے مدینہ میں آ کر اس کی برائیاں لوگوں کو بتائیں اسے خلافت سے عزل کر دیا اور عبداللہ ابن حنظلہ غسیل الملائکہ کی سرپرستی میں ایک گروہ تشکیل دیا اور مروان کے گھر کا محاصرہ کیا اور بنی امیہ پر سختی کی یہ حادثہ ہجری 62 کا ہے امویوں نے یزید سے مدد کا تقاضا کیا تو شام سے مسلم ابن عقبہ کی سرپرستی میں ایک لشکر مدینہ آیا اور انہوں نے یزید کے دستور کے مطابق تین دن اہل مدینہ کو مہلت دی کہ تسلیم ہو جائیں اور جب وہ تسلیم نہیں ہوئے تو انہوں نے مدینہ کے مردوں کو مارا مقابلہ کرنے والوں کو قتل کر دیا اور یزید کے حکم کے مطابق تین دن کے لئے ہر چیز کو ان کے لئے مباح قرار دیا گیا و ران کے اموال اور ناموس پر تجاوز کیا گیا اور ایسی حرکات اور جنایات کے مرتکب ہوئے کہ جن کو بیان نہیں کیا جا سکتا اور اس واقعے کے بعد بہت سے بچے مدینہ میں پیدا ہوئے کہ جن کے باپ کا نام ونشان نہیں تھا)

اس واقعے میں اہل بیت عصمت وطہارت محفوظ رہے اور انہیں کوئی گزند نہیں پہنچا چونکہ امام علیہ السلام نے عبداللہ ابن حنظلہ اور ان کے ساتھیوں کا ساتھ نہیں دیا تھا اور اپنے گھر والوں کو نزدیک ایک گاؤں ینبع میں بھیج دیا تھا ثانیا یزید نے اپنے لشکر کے سردار مسلم بن عقبہ کو لکھا تھا کہ امام علی ابن حسینؑ اور ان کے گھر والوں کو تنگ نہ کیا جائے اب اگر امام حسینؑ صرف ہاشمی جوانوں کے ساتھ یزید کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے نکلے ہوتے جیسا کہ اہل مدینہ نے انجام دیا تھا تو

ان کوشکست دینے کے بعد ان کے اہل بیت پر حملہ کیا جاتا لیکن امام حسینؑ ان کو اپنے ساتھ لے گئے اگرچہ اس راستے میں بہت سختی اور مشکلات برداشت کرنا پڑی لیکن وہ ہر قسم کے تعرض اور تجاوز سے محفوظ رہے۔

3) امام حسینؑ کا خاندان واقعہ کربلا کا سفیر و پیغام رساں بن گیا اور انہوں نے کوفہ، شام، مدینہ اور ان کے راستوں میں اپنی شناخت کرائی کہ ہم پیغمبرؐ کے نواسے نواسیاں ہیں اور اس کا کم سے کم یہ نتیجہ تھا کہ شامیوں کو یہ پتہ چلا کہ پیغمبر اکرمؐ کے معاویہ اور یزید سے زیادہ نزدیکی رشتہ دار اور اہل بیتؑ رسول ص موجود ہیں جن کو یزید کے حکم پر قتل یا قید کرلیا گیا ہے۔

4) امام حسین علیہ الصلاۃ والسلام کے خاندان کا شدت سے واجبات پر عمل کرنا اور محرمات الٰہی سے بچنا اور جن احکام کو یزید ختم کردینا چاہتا تھا کو زندہ کرنا جیسا کہ ان کا بہت زیادہ اصرار تھا کہ حجاب کا خاص خیال رکھیں اور اپنے آپ کو نامحرموں کی نگاہوں سے دور رکھیں، مرد اور خواتین کے اکھٹا ہونے سے پرہیز کریں۔

5) اس ہمراہی کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ بعد میں آنے والے تمام مبارزین تک یہ پیغام پہنچا کہ اپنے خاندان کی اچھی تربیت کریں اور اگر انہوں نے اپنے خاندان کی اچھی تربیت کی تو وہ ہمیشہ آپ کی تحریک کے ساتھ رہیں گے اور خواتین کی گفتگو مردوں کو تقویت دینے کے لئے اور دفاع کرنے کے لئے بہت مثبت اثر رکھتی ہے۔

6) امام کی معنوی قدرت کا اندازہ ہوا کہ امام اس قدر شدید جنگ میں اور بہت زیادہ زخم کھانے کے بعد اور اس قدر شدید پیاس میں بھی اپنے بیوی بچوں کی یاد سے غافل نہیں اور یہ امام کے روحی اور معنوی کمال کو بیان کرتا ہے۔ اور یہ چیز امام علیہ السلام کی زندگی کے آخری لحات میں بھی ان کے کلام سے ظاہر ہے اور ان کی روح کی بلندی کو بیان کررہی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں حسین ابن علیؑ ہوں میں نے قسم کھائی ہے کہ اپنے والد کے خاندان کا دفاع کروں گا اور رسول اللہ کے دین پر قائم رہوں گا۔

7) اس چیز کی بھی تعلیم ملتی ہے کہ اسلام کا دفاع کرنے کے لئے مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں اور ہر کوئی اپنی استعداد اور طاقت کے مطابق اسلام سے دفاع کر سکتا ہے اور اس مہم کام میں شریک ہو سکتا ہے۔

8) دشمن کا اصلی چہرہ لوگوں کے سامنے آیا کہ وہ مقام حاصل کرنے کے لئے اس حد تک گھٹیا طریقوں سے بھی کام لے سکتا ہے کہ خواتین اور بچوں پر بھی رحم نہیں کھاتا اور وہ بھی ان کے ہاتھوں سے محفوظ نہیں ہیں یہاں تک کہ ان کو پانی لینے سے بھی روک دیا جاتا ہے اور مردوں کے علاوہ کے جن کو پیاسا قتل کر دیا گیا خواتین اور بچوں نے بھی بہت زیادہ بھوک اور پیاس برداشت کی۔

مکتبِ امام حسینؑ کی خصوصیات کیا ہیں؟

مکتبِ امام حسینؑ کی خصوصیات

1) امت کے لئے راہِ نجات

بیشک حسینی مکتب اس امت کے لئے راہِ نجات ہے کیونکہ دین کو بیان کرنے کی وجہ امر بہ معروف اور نہی عن المنکر ہے، یہ دونوں اپنے معانی کی وسعت کے لحاظ سے کہ معروف کی ترویج اور تشویق نیز منکرات سے مقابلہ نے لوگوں کو امام حسینؑ سے وابستہ کر دیا۔ یہاں تک کہ بعض نے کہا کہ (نبوی الحدوث و حسینی البقا) نبی نے نافذ کیا حسینؑ نے باقی رکھا۔

2) مصلح سازی کا مکتب

ہربرٹ سپنسر سے نقل ہوا ہے کہ ہمارے بزرگوں کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی تھی کہ جہاں انسانیت پروان چڑھتی ہے اُن محفلوں میں شرکت کرنی چاہیے، یعنی ایسے مکتب فکر جہاں پر لوگوں کی صلاحتیں اجاگر ہوں، مکتب حسینی گناہ کار نہیں بناتا بلکہ صلاحیتیں اجاگر کرنے سے بھی بالاتر مکتب ہے کیونکہ یہ مکتب ایسے افراد تیار کرتا ہے جو مصلح ہیں یعنی خود دوسروں کی صلاحیتیں اجاگر

کرنے والے ہیں۔

3) حسینی منبر

بیشک حسینی مکتب اس امت کے لئے نجات کا راستہ ہے کیونکہ یہ امر بالمعروف اور نہی از منکر کا پلیٹ فارم ہے، جس طرح کہ سورہ شعراء میں ملتا ہے کہ پیغمبرؐ اس لئے آئے کیونکہ مفاسد زیادہ پھیل رہے تھے۔

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ زندہ مکتب حسینی سے حسینؑ کا ظہور ہوتا ہے یہ ایسا مکتب ہے کہ جو ہر وقت یعنی ہر سال محرم کے ایام میں ایک بہترین مصلح کی مانند ظہور کرتا ہے اور یہ پیغام ہماری سماعت تک پہنچانا ہے۔

الاترون انالحق لایعمل به، یا یه که الموت اولی من رکوب العار

4) شہادت کے تین مراحل ہیں

امام حسینؑ کی شہادت تین مرحلوں میں ہوئی

بدنی شہادت تو یزیدیوں کے ہاتھوں ہوگئی، بعد میں متوکل عباسی جیسے افراد کے دور میں دوسری شہادت ہوئی جب وہ شہرت، علامت اور نیک نامی سے خوف زدہ ہوگئے اور تیسری بار منبر پر آنے والے لوگوں نے شہید کیا اور یہ سب سے بڑی شہادت تھی جناب زینبؑ نے ایک جملہ یزید کے دربار میں فرمایا: (کد کیدك وسع سعیك) اس میں تینوں مرحلے شامل ہیں۔ حسینی مکتب ایسا نہیں ہے کہ وہ گناہ گار تیار کرے بلکہ یہ مکتب انبیاء کے مکتب کو آگے بڑھا رہا ہے جس کا ذکر سورہ شعراء میں ہوا ہے اور ہر سال اس کی تجدید ہوتی ہے تاکہ یہ مکتب زندہ رہے۔

5) منطق واحساس کا مکتب

بیشک امام حسینؑ کا مکتب منطق وفلسفہ پر مبنی ہے۔ ایسا درس ہے جسے سیکھنا چاہیے اگر ہم اس مکتب کو ہمیشہ ایک فکری مکتب کی طرح بیان کرتے رہیں اور عواطف واحساسات کو شامل نہ کریں تو اس سے ملنے والی حرارت اور جوش ختم ہوجائے گا۔ بلکہ قدیم و پرانا ہوجائے گا، یہ ایک بہت بڑی

اور عمیق فکر ہے، ایک عجیب اور فوق العادہ اور معصومانہ دوراندیشی ہے تاکہ یہ چاشنی کبھی بھی ہاتھ سے جانے نہ پائے۔ ہم عواطف کی اس چاشنی جو حسین بن علیؑ یا امیرالمومنینؑ یا امام حسنؑ یا بقیہ آئمہ اطہار علیہم السلام یا حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کے ذکر مصیبت میں پوشیدہ ہے اس کی حفاظت کریں۔

6) مکتب کا خاتمہ نہ کہ مقبرے کا

متوکل عباسی نے حکم دیا کہ حسین بن علیؑ کی قبر پہ پانی چھوڑ دیا جائے تاکہ کوئی بھی زیارت کے لئے نہ جاسکے اور اگر کوئی جائے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیں، اگر کوئی ان کا نام لے تو یہ کریں فلاں فلاں، آپ کو یہ خیال آرہا ہوگا کہ متوکل کسی نفسیاتی مرض کا شکار ہوگا، اس کا دل منطق سے خالی کینہ پروری سے بھرا پڑا تھا، ایسے ہی نہیں تھا کہ حسین ابن علیؑ کی عزاداری کی آئمہ اطہارؑ تاکید کرتے رہے، جس کے باعث کمیت اور دعبل بن علی جیسے افراد پیدا ہوئے اور متوکل عباسی کی منصوبہ بندی کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔

متوکل عباسی یہ خیال کرتا تھا کہ ان میں سے ہر ایک فوج کی مانند اثر رکھتا ہے، وہ یہ دیکھ چکا تھا کہ حسینؑ کی میت زندہ حسینؑ کی نسبت زیادہ اس کے راستے میں رکاوٹ ہے، کیونکہ آئمہ اطہارؑ کی وصیت اور دستور نے ایسا نہیں ہونے دیا کہ حسین بن علی ع کا نام نہ رہے بلکہ ایک فکر، ایک آئیڈیل ظلم کے مقابلے پر ایک عقیدہ نے حسین بن علیؑ کو زندہ رکھا۔

متوکل نے منصوبہ تو بڑا بنایا تاکہ اس فکر، اس آئیڈیا اس عقیدے کو ختم کر دے، بڑا عقل مند تھا اور مقدس مآب بھی تھا، حسین بن علیؑ کے بارے میں کوئی انفرادی یا روحانی دشمنی بھی نہیں رکھتا تھا، لیکن وہ دیکھتا تھا کہ حسینؑ ان مرثیوں کے باعث ایک مکتب کی صورت اختیار کرتے جارہے ہیں اس صورت میں اب متوکل، متوکل نہیں رہ سکتا۔

7) حسینؑ ایک مکتب ہے

حسینؑ کو ایک دن قتل کر دیا گیا اور ان کے سر اقدس کو بدن سے جدا کر دیا گیا لیکن حسینؑ کسی

جسم کا نام نہیں، حسینؑ میری طرح یا آپ کی مانند نہیں، حسین تو ایک مکتب ہے جوان کی موت سے اورزندہ ہوگیا، بنوامیہ کے منصوبہ سازوں کا یہ خیال تھا کہ حسینؑ کو قتل کرنے سے مسئلہ ختم ہوجائے گا، لیکن بعد میں انہوں نے دیکھ لیا کہ حسینؑ کی میت ان کے لئے زندہ حسینؑ سے زیادہ بڑی رکاوٹ ہے۔

8) مکتب کا بانی

امام حسینؑ ایک مکتب کے بانی ہیں لیکن یہ مکتب ایک عملی مکتب ہے وہی مکتب اسلام ہے جو مکتب اسلام نے بیان کیا ہے حسینؑ نے اس پر عمل کیا۔

9) حسینیؑ مکتب آئیڈیل ہے

جنہوں نے اس بات کی تاکید کر رکھی ہے کہ حسین بن علیؑ کی عزاداری زندہ رہے۔اس لئے کہ امام حسینؑ کا ایک مقصد تھا، حسین بن علیؑ ایک مکتب کے بانی ہیں اور وہ چاہتے تھے کہ ان کا مکتب زندہ رہے، پوری دنیا میں ایسا مکتب آپ کو نظر نہیں آئے گا جو حسین بن علیؑ کے مکتب کی مانند ہو، اگر آپ ایسا مکتب تلاش کرلیں تو پھر آپ یہ کہنے کا حق رکھتے ہیں کہ ہم کیوں ہر سال اس مکتب کی تجدید کرتے ہیں؟

تحریک کربلا میں ہمارے لئے کیا دروس موجود ہیں؟

تحریکِ عاشورا کے درس

(1) حسینؑ انسانیت کے معلم ہیں

امام حسینؑ نے لوگوں کو غیرت کا درس دیا، تحمل اور بربادی کا درس دیا، لوگوں کو مشکلات اور سختیوں میں تحمل و برداشت کرنے کا درس دیا، مسلمانوں کے لئے اس میں عظیم درس ہے یہ جو کہتے ہیں کہ حسینؑ بن علیؑ نے آخر ایسا کیا کیا ہے کہ دین اسلام زندہ ہوگیا، اس کا جواب یہی ہے کہ حسین

بن علیؑ نے تازہ روح پھونک دی۔خون میں جوش برپا کردیا،غیرت مند بنادیا،لوگوں کو عشق اور آئیڈیل دیدیا،دوسروں سے بے نیازی کی حس بیدار کردی مشکلات میں تحمل اور حوصلہ مندی کا درس دیا ڈر اور خوف ختم کر کے رکھ دیا وہ جتنے ڈرتے تھے انہیں اتنا ہی شجاع اور دلاور بنادیا۔

2) عزت آمیز زندگی کا درس

ہم دیکھتے ہیں کہ روز عاشورا امام حسین علیہ السلام اپنی زندگی کے آخری لمحات میں ان کے آخری کلمات میں بھی کرامت و بزرگواری اسلامی اخلاق وتربیت محور کے طور پر نظر آتے ہیں۔ ابن زیاد کی طرف سے بھیجے ہوئے قاصد کو یہ جواب دیا:لااعطیکم بیدی اعطاء الذلیل ولاافر فرار العبید، میں ایک پست فطرت انسان کی مانند اپنا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں نہیں دوں گا ایسا نہیں ہوسکتا اور اس حالت میں بھی جنگ جاری رکھی جبکہ سب اصحاب شہید ہو چکے ہیں، تمام رشتے دار اور قریبی شہید ہو چکے ہیں، اپنے فرزند کی شہادت بھی سامنے ہے اپنے بھائی کے قلم شدہ بازو بھی سامنے ہیں اور بند آنکھوں سے یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اب یہ سارے لوگ حرم اہل بیتؑ پر ٹوٹ پڑیں گے اس حالت میں بھی جنگی شعار بلند ہوتے ہیں۔ایک سیادت حکومت اور بزرگی کے شعار اس معنی میں نہیں کہ میں ایک صدر مملکت بننا پسند کرتا ہوں بلکہ میں ایسا سربراہ ہوں کہ جس کی سربراہی اسے یہ اجازت نہیں دیتی کہ ایک پست فطرت کے مقابل تسلیم ہوجاؤں۔

3) ظلم کا مقابلہ کرنے کا درس

امام حسین علیہ السلام نے بڑی صراحت سے یہ فرمایا کہ اسلام ایسا دین ہے کہ حتیٰ یہ کسی امام کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ ظلم وستم اور فساد اور گناہ کے مقابلے میں لاتعلق اور غیر جانبدار رہے۔

4) آئیڈیل بننے کی حس بیدار کردی

حسینی تحریک اور حادثہ کربلا وعاشورا سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کیا جائے۔اس لئے کہ اس میں عظیم درس ہے یہ قیام ہمیں بتاتا ہے کہ ہم نمونہ عمل کی حس کو زندہ رکھیں یہاں مرثیے اور نوحے کی مخالفت مراد نہیں ہے،لیکن یہ کہ ان نوحوں اور مرثیوں کو ایسا ہونا چاہیے کہ یہ ہمارے اندر حسینی

آئیڈیل کو متحرک اور زندہ رکھے۔

5) عدالت وآزادی کا درس

ہیرو یا آئیڈیل کی جدائی پر گریہ وزاری کریں تا کہ آپ میں بھی یہ احساسات بیدار ہو جائیں تا کہ ان آزاد مردوں کی ارواح کے سائے میں آپ کی روح میں بھی یہ حس بیدار ہو جائے اور آپ میں بھی حق وحقیقت کی نسبت غیرت پیدا ہو جائے۔ آپ بھی عدالت کے چاہنے والے بن جائیں ،آپ بھی ظلم وستم کا مقابلہ کر سکیں آپ بھی آزادی طلب بن جائیں۔ آزادی کے احترام کے قائل ہو جائیں ،آپ کو بھی پتہ چل جائے کہ عزت نفس کیا ہوتی ہے؟ انسانیت اور شرافت کیا ہے؟ کرامت کیا چیز ہے؟

6) آزادی روح کا درس

حسینؑ فرزند پیغمبرؐ ہیں۔ وہ جب اپنے ایمان کی تعلیمات کا پیغمبرؐ کے ذریعے اظہار کرتے ہیں تو اس میں پیغمبرؐ جلوہ گر ہوتے ہیں۔ وہ چیز جس کا اظہار سب کرتے ہیں لیکن ان کے عمل میں ایسا نظر نہیں آتا وہ حسینؑ وجود میں دیکھنے کو ملتا ہے آخر کیوں انسانی روح میں اس قدر شکست پذیری نظر آتی ہے؟ سبحان اللہ! انسان کہاں تک جا سکتا ہے کہ اس کا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہے جوان آنکھوں کے سامنے تہ تیغ ہوتے ہیں۔

پیاسے بھی ہیں اپنے خاندان کے بارے میں بھی جانتے ہیں کہ انہیں اسیر کر لیا جائے گا۔ جو کچھ پاس تھا لیکن ایک چیز باقی تھی وہ ان کی روح ہے اور ان کی روح کبھی شکست قبول نہیں کرے گی۔

7) عاشورا درس کا دن ہے

عاشورا کا دن ہے، حسینؑ بن علی علیہ السلام کی معراج کا دن ہے۔ ایسا دن ہے کہ جس دن ہم حسینی روح، حسینی غیرت، حسینی مقاومت شجاعت و دلیری اور حسینی روشن بینی سے درس لے سکتے ہیں تا کہ ہم بھی انسانیت سے کچھ لیکر آدم بن سکیں، بیدار ہو سکیں۔

8) حسینؑ کا ہر سال ظہور ہوتا ہے

امام حسین علیہ السلام کی تحریک عالم اسلام کے لئے ایک پروگرام ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے تجدید حیات کا دن ہے یہ ظہور کی ایک ایسی قسم ہے کہ جس میں سید الشہداء خطیبوں، ذاکروں کے ذریعے ظہور کرتے ہیں یا صالحین اور انقلابیوں میں ظہور کرتے ہیں۔

9) اقامہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا درس

یہ منبر پر جو کچھ موجود ہے یہ سب واقعہ کربلا اور آئمہ اطہارؑ کی وصیت کہ سید الشہداء کی عزاداری قائم رکھی جائے، کی وجہ سے ہے سید الشہداء کی عزاداری کی برکت کے باعث یہ سب کچھ ہے۔ بعض سمجھدار اور متدین افراد یہ کہتے ہیں کہ اب سید الشہداء علیہ السلام کی مجالس تو برپا ہوتی رہتی ہیں لوگ امام حسینؑ کے نام پر آنے لگے ہیں تو پھر ہم ایک اور اصول سے فائدہ کیوں نہ اٹھائیں؟ کیوں نہ اسی ضمن میں ایک اور اصول کا اجراء کر دیں؟ اور وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے لہٰذا حسینؑ بن علیؑ کے دو منبر بن گئے ایک منبر سے مرثیہ خوانی کا جس پر احساسات کے ذریعے مظلوم کا ساتھ دینے اور ظالم کے خلاف ہونے کی حس بیدار ہوتی ہے جس سے مظلوم کو فائدہ ہوا البتہ اگر اس کی روش درست ہو اس کے بڑے عظیم اثرات جو میں اس سے قبل عرض کر چکے ہیں۔

دوسرا منبر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ اس ملک میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے جو ارشاد و ہدایت دی جاتی ہے وہ سب امام حسینؑ کے مقدس نام کے باعث ہے کتنا اچھا کام ہے اور کیسی اچھی سنت ہے جس پر عمل ہو رہا ہے۔ کتنا ہی اچھا کیا ہے کہ امام حسینؑ کے لئے ضمنی طور پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا منبر بنا کر اصول دین اور فروع دین کا وظیفہ انجام دیا جانے لگا ہے اور لوگوں کے احساسات سے حقیقی فائدہ اٹھایا جا رہا ہے۔

جس قدر لوگ امام حسینؑ کے نام پر جمع ہوتے ہیں کسی اور کے نام پر اتنے افراد جمع نہیں ہوتے یہ اچھا کیا ہے کہ اس سنت سے فائدہ اٹھایا جانے لگا۔

10) انسان برائیوں سے نفرت کرتا ہے

بشر میں یہ کیا چیز ہے؟ بشر میں یہ کیسی حس ہے؟ یہ انسانیت کی اصول اور اس کی نمائندہ چیز ہے۔ کلی طور پر آخر وہ کونسی وجہ ہے کہ نیک لوگوں سے محبت اور برے لوگوں سے نفرت کی جاتی ہے چاہے ان کا تعلق گزشتہ دور سے ہی کیوں نہ ہو؟ جب یزید وشمر کا نام ہمارے سامنے لیا جاتا ہے اور انہوں نے جو جرم کیے اور دوسری طرف شہیدان کربلا کا ذکر ہوتا ہے اور جو فداکاری کے جوہر انہوں نے دکھائے تو ہمارے اندر پہلے گروہ کے لئے نفرت اور دوسرے گروہ کے لئے عجیب حس ہے جو احترام کی قائل ہے، یہ کیا ہے؟ کیا یہ درجات کا مسئلہ ہے ہم خود کو شہیدان کربلا کے گروہ میں پاتے ہیں اور یزید وشمر سے ہم اس طرح نفرت کرتے ہیں جس طرح ہم اپنے دشمن سے کرتے ہیں اور احترام کرنے کی حس کو شہیدن کربلا سے منسوب کرتے ہیں۔

11) معرفت امام کا نتیجہ

جب امام کی شناخت کرلیں گے اور امام کی معرفت حاصل کرلیں گے اس وقت جو تمہارا دل چاہے نیک عمل انجام دو قابل قبول ہوگا کیونکہ امام کی شناخت کے بعد قبولیتِ عمل کی شرط آپ نے پالی ہے، اب آپ امام شناس ہو گئے ہیں علیؑ شناس ہو گئے ہیں حسینؑ شناس ہو گئے ہیں جو بھی عمل خیر ادا کر سکتے ہیں کریں، یہ کب کہا ہے کہ جب امام کی شناخت کرلو پھر ہر فسق و فجور انجام دے سکتے ہو اور جو تمہارا دل چاہے انجام دو۔ لہذا عاشورا کی یاد معرفت امام کا باعث ہے اور معرفت امام انسان کو باعمل بناتی ہے۔۔۔

مصیبت امام حسینؑ پر گریہ وزاری کرنے کا فلسفہ

1) مصیبت امام حسینؑ پر گریہ کرنے کا فلسفہ

سید الشہداء امام حسینؑ سے مربوط مسائل میں سے ایک مسئلہ آپؑ پر گریہ وزاری کرنے کا مسئلہ ہے خود رونے اور ہنسنے پر چند زاویوں سے بحث وگفتگو ہونی چاہیے۔

i) سب سے پہلے اس زاویہ سے کہ یہ انسانی خصوصیات میں سے ہے۔

ii) جسمانی اور روحانی علت کے لحاظ سے۔

iii) اثرات اور عوارض کے لحاظ سے۔

iv) اخلاقی لحاظ سے اس پر بحث وگفتگو اور علمائے اخلاق و آداب کے اس بارے میں ثابت شدہ عقیدہ کا بیان۔

v) رونے اور ہنسنے کے اجتماعی اثرات۔

vi) رونے اور ہنسنے کی اقسام، آیا رونے کی تمام اقسام بری ہیں اور ہنسنے کی تمام اقسام اچھی ہے یا ایسا نہیں؟

یہ سب رونے اور ہنسنے کے وہ مختلف زاویے ہیں جن پر بحث وگفتگو کرنے کی ضرورت ہے، لیکن ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ امام حسینؑ پر گریہ کرنا لذت بخش ہے جو انسانی دل کو پاکیزگی اور روشنی بخشتا ہے یہاں پر امام حسینؑ کے مکتب اور ٹریجڈی (Tragedy) اور کامیڈی (Comedy) کے درمیان ایک موازنہ ہونا چاہیے، کامیڈی اور ٹریجڈی کی طرح اور اُن اشعار کی طرف جو ہمارے شاعروں نے گریہ اور مدح کے باب میں لکھے ہیں ان سب کی طرف اشارہ

ہونا چاہیے جیسے کہ یہ شعر:

گریہ بر هر دردی درمان دو است

چشم گریان چشمہ فیض خدا است

''یعنی ہر درد کا علاج رونا ہے اور روتی آنکھیں خداوند عالم کے فیض و رحمت کا چشمہ ہیں۔''

رونا اور ہنسنا انسان کی شدید ترین احساسی کیفیت کا مظہر ہوتا ہے جب لوگوں کو رلانے اور ہنسانے کی قدرت کسی کو حاصل ہو جاتی ہے تو در حقیقت وہ ان کے دلوں کا مالک ہو جاتا ہے اور پھر ان سے ان کے میل محبت سے کھیلتا ہے انسانی قلب کا کام عقل کے کاموں سے ہٹ کر ہے ابھی تک لوگوں کے دلوں کو عقل کے کنٹرول میں لائے بغیر اور بغیر کسی ہدف کے امام حسینؑ پر رلا کر کھیل کھیلا گیا ہے بلکہ تنہا یہی ہدف رکھنا بھی کافی نہیں، نظم و ضبط کا ہونا بھی ضروری ہے۔

2) یہ ہے دردِ انسانیت

اس ضمن میں بوعلی سینا نے ''اشارات'' کے آخر میں بطور مثال ''بدن کی ورزش کا ذکر کیا ہے'' وہ کہتا ہے ''جب انسان اپنے بدن کو کھجاتا ہے تو اسے درد تو ہوتا ہے۔'' لیکن ساتھ ہی ساتھ اسے ایک لذت بھی حاصل ہوتی ہے اور بدن کو کھجلانا اسے اچھا لگتا ہے۔ یہ درد ہے لیکن یہ درد تلخ نہیں ہے۔ یہ درست ہے وہ دل جلاتا ہے اور آنسو بھی نکل آتے ہیں لیکن یہ غم اور درد محبوب اور مطلوب ہے، آپ جانتے ہیں کہ انسان ہمیشہ رنج و غم سے دور بھاگتا ہے لیکن اگر اسے کوئی یہ کہے کہ فلاں جگہ حضرت سید الشہداء کی مجلس بپا ہے، آؤ میرے ساتھ چلو کہ وہاں کچھ آنسو بہائیں، تب وہ پوری رضا مندی کے ساتھ ایسی مجالس میں شریک ہوتا ہے اور آنسو بہاتا ہے۔ کیونکہ جب تک انسان کا دل نہ دکھے وہ آنسو نہیں بہاتا۔ چونکہ مجلس سید الشہداء میں ان کے مصائب پر اس کا دل دکھتا ہے اس لئے وہ آنسو بہاتا ہے تو انسان پاکیزگی کا احساس کرتا ہے اور اس درد کے مقابلے میں کوئی اور چیز نہیں آسکتی یہی درد انسانیت ہے۔

3) گریہ وزاری کرنے کا مقصد

آئمہ اطہارؑ نے کیوں کہا (بلکہ پیغمبرؐ سے بھی روایت ہے) کہ یہ تحریک زندہ رہے۔ لوگ اسے بھول نہ جائیں۔ لوگ امام حسینؑ کے لئے روتے رہیں۔ اس حکم سے ان کا کیا مقصد تھا؟ ہم نے اس اصلی مقصد کو مسخ کر ڈالا ہم نے کہہ دیا کہ یہ بات صرف حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کی تسلی کی خاطر کی گئی ہے۔ اگرچہ وہ بہشت میں اپنے فرزندار جمند کے ساتھ ہیں اور اس بات کے لئے بیتاب رہتی ہیں کہ ہم جیسے کم ظرف لوگ کچھ روتے رہیں، تاکہ ان کے دل کو تسلی ہوتی رہے۔ کیا خاتون جنت کی توہین اس سے بھی بڑھ کر ہو سکتی ہے؟ کچھ دوسروں نے یہ کہہ دیا کہ امام حسینؑ کربلا میں ظالموں کے ہاتھوں بے قصور قتل ہوئے۔ یہ بڑی اندوہناک بات ہے۔ میں بھی مانتا ہوں کہ حسینؑ بے قصور مارے گئے۔ لیکن بس اس قدر کافی ہے؟ صرف یہی؟ ایک شخص چند ظالموں کے ہاتھوں بے تقصیر مارا گیا؟

دنیا میں روزانہ ہزاروں بے قصور آدمی قصورواروں کے ہاتھوں قتل ہو جاتے ہیں کسی دن ہزاروں آدمی دنیا میں ضائع ہو جاتے ہیں اور یہ بات المناک بھی ہے لیکن کیا اس ضائع اور قتل ہونے کی کوئی ایسی قدر و قیمت ہے جو سالہا سال اور دس بیس تیس صدیاں گزرتی رہیں؟

4) خون حسینؑ کے قطرے قطرے کی اہمیت ہے

اور ہم بیٹھے بیٹھے غم مناتے رہیں کہ افسوس حسین بن علیؑ قتل ہو گئے، ان کا خون ضائع ہو گیا، حسین بن علیؑ بے قصور مارے گئے، ظالموں کے ہاتھوں مارے گئے لیکن یہ کس نے کہا کہ حسین بن علیؑ ضائع ہو گئے؟ حسین بن علیؑ کا خون رائیگاں گیا؟ اگر دنیا میں تم کوئی ایسا آدمی پاؤ گے جس نے اپنے خون کا ایک قطرہ بھی ضائع نہیں جانے دیا تو وہ حسینؑ بن علیؑ ہیں۔ اگر دنیا میں تمہیں کوئی ایسا آدمی ملے گا جس نے اپنی شخصیت کا ایک پہلو بھی رائیگاں نہیں ہونے دیا تو وہ حسین بن علیؑ ہیں۔ انہوں نے اپنے خون کے ایک ایک قطرے کی اس قدر قیمت لگائی کہ بیان میں نہیں آسکتی۔

اگر دنیا کی اس دولت کا جوان کی خاطر صرف ہوتی ہے ہم قیامت تک حساب لگائیں تو ان کے خون کے ہر قطرے کی خاطر اربوں کھربوں روپے خرچ بنے گا۔ جس شخص کے قتل ہونے کا یہ نتیجہ نکلا ہو کہ اس کا نام ظالموں کے محلوں کی بنیادیں ہمیشہ کے لئے متزلزل کر دے، کیا وہ شخص ضائع ہو گیا؟ کیا اس کا خون رائیگاں بہہ گیا؟ کیا ہم اس بات پر افسوس کریں کہ حسینؑ بن علیؑ ضائع ہو گئے؟ اے ناداں! تو ضائع ہو گیا۔ میں اور تو دونوں بے مصرف ہیں۔ ہماری عمریں بے مصرف ہیں۔ اپنا غم منا، اپنے پر افسوس کر، وہ حسینؑ بن علیؑ کی توہین کرتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ وہ ضائع ہو گئے حسینؑ بن علیؑ وہ شخص ہیں کہ ان لك درجة عند الله لن تنالها الا بالشهادة کیا حسینؑ بن علیؑ جو شہادت کی آرزو کرتے تھے یا اپنے ضائع ہونے کی آرزو کرتے تھے؟

5) باہمیت آنسو

وہ آنسو جو اُن کے لئے بہاتے ہیں اگر ہماری اور ان کی روح کی مطابقت کے باعث بہتے ہیں تو گویا وہ ایک چھوٹی سی پرواز ہے جو ہماری روح، حسینی روح کے ساتھ کرتی ہے۔ اگر ان کی ہمت، غیرت، حریت، ایمان، پرہیزگاری اور توحید کا حقیر سا جزو بھی ہم میں جھلک اُٹھے اور پھر ایسا آنسو ہماری آنکھ سے بہنے لگے تو وہ آنسو بیش قیمت ہوگا۔ اگر کہیں کہ مکھی کے پر کے برابر ایسے آنسو کا بدل پوری دنیا کے برابر ہو گا تو آپ کو یقین کر لینا چاہیے البتہ وہ آنسو نہ ہو جو حسینؑ کا مقصد ضائع جانے کے لئے بہایا جائے بلکہ وہ آنسو جو حسینؑ کی عظمت کے لئے ہو، حسینؑ کی شخصیت کے لئے ہو، وہ آنسو جو امام حسین علیہ السلام کے ساتھ مطابقت اور ان کی پیروی کرنے کی خاطر بہایا جائے اگرچہ مکھی کے پر کے برابر بھی ہو تو بدلے میں ایک دنیا کے برابر ہوگا۔

6) امام حسینؑ سے سچی محبت

یہ ہماری سوچ ہے کہ امام حسینؑ پر جھوٹ موٹ کے آنسو بہا لینا کافی ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا یہ سب جھوٹ ہے، مگر یہ کہ علیؑ کی محبت تمہیں عمل کی طرف لے آئے، تو جان لو کہ یہ تمہاری محبت ہے۔ اسی طرح اگر حسینؑ پر گریہ و زاری تجھے عمل کی طرف لے جائے تو پھر تم نے

حسینؑ پر گریہ وزاری کی ہے اور تمہارا یہ رونا سچ ہے وگرنہ ایک شیطانی فریب ہے۔

7) ایک ہیرو کی مصیبت پر رویا جائے

یہ رثاء اور مصیبت بھولنے نہ پائے، یہ ذکر اور یاد آوری کہیں فراموش نہ ہو جائے، ہمیشہ لوگوں کے آنسو بہتے رہیں، لیکن ایک ہیرو کے لئے، پس سب سے پہلے آپ کے لئے ضروری ہے کہ ہیرو کی پہچان ہو جائے اور پھر اس کی مصیبت پر روئیں، وگرنہ ایک ایسا شخص جس کا خون ضائع ہو چکا ہو اور جس کا کوئی وارث نہ ہو اس پر کیا رونا، اس کے لئے ایک ملت کا رونا کوئی معنی نہیں رکھتا، ایک ہیرو کی جدائی پر روئیں تا کہ آپ میں بھی اس جیسے احساسات بیدار ہوں۔

8) مقدس آنسو

عیسائیوں کے عقائد کا ایک اصول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سولی پر چڑھنا ہے تا کہ یہ توڑ بن جائے، حضرت عیسیٰؑ کا لقب انقادی (توڑ) ہے عیسائیت کی رو سے عیسائی عقیدے کا ایک جزو ہے کہ عیسیٰؑ اس لئے سولی پر چڑھ گئے تا کہ وہ قوم کے گناہوں کا کفارہ بن سکیں یعنی عیسائی اپنے گناہوں کا کفارہ حضرت عیسیٰؑ کے کھاتے میں ڈالتے ہیں، ہم نے یہ کبھی نہیں سوچا کہ یہ بات تو عیسائی دنیا کی ہے، اسلامی روح کے ساتھ اس کا کوئی تعلق یا مطابقت نہیں، خدا کی قسم یہ حضرت امام حسین علیہ السلام پر تہمت اور بہتان ہے۔ (کہ وہ اس لئے شہید ہوئے تا کہ ہمارے گناہوں کا کفارہ بن جائیں اب جو چاہیں گناہ کریں)

واللہ اگر کوئی رمضان کے مہینے میں روزہ دار ہو اور حسینؑ بن علیؑ سے یہ بات منسوب کرے اور کہے کہ حسینؑ ایسے ہی کام کے لئے تھے اور (یہ بات) ان سے نقل کرے تو اس کا روزہ باطل ہے۔ یہ حسینؑ پر جھوٹ ہے، حسینؑ نے گناہ سے لڑنے کے لئے قیام کیا تھا، اس کے برعکس ہم نے کہہ دیا کہ انہوں نے اس لئے قیام کیا کہ گنہگاروں کی حفاظت کریں، ہم نے کہہ دیا کہ حسینؑ نے ضمانت دیدی، گویا ایک بیمہ کمپنی کی بنیاد رکھ دی، بیمہ کیسا؟ گناہ کا بیمہ، آپ نے گویا فرمایا کہ میں نے تمہارے گناہوں کا بیمہ کر دیا۔ اس کے بدلے میں کیا لوں گا؟ آنسو! تم میرے لئے آنسو

بہاؤ میں اس کے عوض تمہارے گناہوں کی تلافی کر دوں گا۔ چاہے کوئی بھی ہو، ابن زیاد ہو عمر سعد ہو۔ دنیا میں ایک ابن زیاد کم تھا دنیا میں ایک عمر سعد کم تھا۔ کیا دنیا میں ایک سنان بن انس کم تھا، دنیا میں ایک خولی کم تھا، کیا امام حسینؑ چاہتے تھے کہ دنیا میں خولی زیادہ ہو جائیں، دنیا میں عمر سعد زیادہ ہو جائیں۔ کیا آپؑ نے یہ فرمایا تھا اے لوگو! تم سے جتنا برا بنا جا سکے بن جاؤ میں تمہارا ضامن ہوں؟

9) بااہمیت آنسو

لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ صحیح اور درست ذکر سنیں تا کہ اچھی اور صحیح باتوں سے ان کی فکری سطح بلند ہو اور وہ یہ جان لیں کہ اگر ان کی روح ایک لفظ کو بھی صحیح درک کر لیتی ہے یعنی حسینؑ بن علیؑ کی روح کے ساتھ ہم آہنگ ہو گئی تو اس کے نتیجے میں بہنے والا آنسو کا ایک قطرہ ہی کیوں نہ ہو اس کا حقیقت میں بہت بڑا درجہ ہو گا لیکن جو آنسو قلب کے بغیر بہہ جائے تو وہ سمندر بھی ہو تب بھی بے وقعت ہو گا۔

10) امام سجادؑ کے بامقصد آنسو

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ امام زین العابدینؑ اپنے والد بزرگوار کے بعد جتنا عرصہ زندہ رہے انہوں نے تلوار نہیں اٹھائی بلکہ انہوں نے ایسا کیا کہ یہ واقعات ذرا بھول جائیں۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ آپؑ ہر موقعہ کی تلاش میں رہتے تھے تا کہ وہ اپنے والد بزرگوار کے قیام کے اثرات زندہ رکھ سکیں۔ آپ جو گریہ وزاری کرتے تھے وہ کس لئے تھا؟ کیا ان کی حالت ایسی تھی جیسے ایک آدمی کا دل جلتا ہے تو وہ بے مقصد رونے لگتا ہے؟ یا اس حادثے کو زندہ رکھنے کے لئے تا کہ لوگ امام حسینؑ کو یاد رکھیں اور یہ بھی یاد رہے کہ کس نے انہیں قتل کیا؟ اس لئے آپ کبھی بہت زیادہ گریہ و زاری کرتے تھے ایک مرتبہ آپؑ کے خادم نے عرض کیا آقا کیا ابھی ایسا وقت نہیں آ چکا کہ آپؑ اب رونا ترک کر دیں۔ (اس نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ امامؑ اپنے عزیزوں کے لئے روتے ہیں۔)

فرمایا: تم کیا کہہ رہے ہو؟ یعقوبؑ کے پاس ایک ہی یوسف تھا قرآن مجید نے ان کے جذبات

کی اس طرح تشریح کی: وابیضت عیناہ من الحزن (سورہ یوسف آیت نمبر 84، ان کی آنکھیں فراق یوسف کے غم میں سفید ہوگئیں) میں نے اپنی آنکھوں کئی یوسف شھید ہوئے دیکھے ہیں۔

11) بامعرفت آنسو

جو چیزیں عمل کی اہمیت کو کیفیت کے لحاظ سے بلند کردیتی ہیں۔ان میں سے ایک معرفت ہے۔

آخر کیوں زیارات کے باب میں یہ کہا گیا ہے کہ: من زار الحسین علیہ السلام عارفا بحقہ، جو بھی امامؑ کی زیارت کرے اس شرط کے ساتھ کہ انہیں جانتا ہو کہ وہ کون ہیں کیا ہیں؟ ان کے حق کی معرفت رکھتا ہو۔اس لئے کہ شناخت ومعرفت بنیاد ہے۔

یہ جو چند اشخاص شبہے کا اظہار کرتے ہیں کہ امام حسینؑ کے لئے بہایا گیا ایک قطرہ آخر اتنی اہمیت کیسے حاصل کرسکتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا ممکن ہے کہ ایک شخص امام حسینؑ کے لئے اتنا روئے کہ اگر اس کی زندگی کے تمام آنسو جمع کیے جائیں تو ایک تالاب کی شکل بن جائے اور اس کی کوئی اہمیت بھی نہ ہو، لیکن ایسا ممکن ہے کہ ایک انسان مکھی کے پَر کے برابر آنسو بہائے لیکن اس تالاب سے بھی زیادہ اہمت رکھتا ہو۔

امام حسینؑ کی تحریک کی ہمیشگی وجاودانگی کا راز کیا ہے؟

ہمیشہ زندہ رہنے والی تحریک کا راز

1) حسینی تحریک کی جاودانگی کا راز

جب انسان امام حسینؑ کو ان صفات اور خصائل کے ساتھ جان لیتا ہے تو وہ حق کو دیکھ لیتا ہے اور چاہتا ہے کہ یہ نام تا ابد زندہ رہے کیونکہ حسینؑ اپنے لئے نہیں تھے، خود کو انسان پر قربان کر دیا، انسانی اجتماع پر قربان کردیا، انسانی مقدسات پر فدا ہوگئے، اسی لئے انسان انہیں اپنا سمجھتے ہیں، جب دوسرا انسان دیکھتا ہے کہ یہ انسان کسی شخص چیز کا وجود نہیں جو بھی ہے شرافت اور

انسانیت ہے تو وہ انہیں اپنے ساتھ متحد اور ایک دیکھتا ہے۔

2) مومنین کے دلوں میں حسینؑ کا نورانی نام ثبت ہو چکا ہے

بہت سے سلاطین یہ چاہتے تھے کہ ان کے نام اور ان کی باتیں اور ان کے پیغام (اگرچہ کہ اس میں انسانوں کے لئے کوئی پیغام نہیں تھا اور وہ فقط ان کی خود خواہی کا اظہار تھا) باقی رہ جائیں۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے دھات پر اپنی باتیں کنندہ کروائیں، مثلاً میں بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، میں بادشاہ کی نسل سے ہوں لیکن یہ کندہ کی ہوئی باتیں اور نوشتہ جات کبھی بھی لوگوں کے دلوں اور سینوں پر ثبت نہ ہوئے اور نہ اس جگہ پر نقش رہ سکے، اس کے برعکس جو پیام امام حسین علیہ السلام نے دیئے تھے، اگرچہ کسی دھات تختی یا پتھر پر کندہ نہیں کیے گئے تھے، چونکہ خون سے لکھے گئے تھے اور ہوائی لہروں کے صفحات پر ثبت ہوئے تھے۔ لوگوں کے سینوں اور دلوں پر ثبت ہو گئے اور انبیاء کی وحی کی طرح نورانی صورت میں دلوں میں ہمیشہ باقی رہ گئے۔

ان للحسین محبۃ مکنونۃ فی قلوب المومنین

''امام حسین علیہ السلام کے لئے مومنین کے دلوں میں ایک محبت پنہان ہے۔''

امام حسینؑ کا پیام روح کے عالی ترین مقامات اور مراکز پر ثبت ہوا، یہاں تک کہ دل میں اس کے احساسات کی ایک جگہ بن گی اور ان کا نام لیتے ہی آنسو جاری ہو جاتے ہیں خدا جانتا ہے کہ اس ایک ہزار چار سو برسوں میں کتنے آنسو بہے ہیں، یہ حقیقت میں ایسا ہی ہے اس لئے کہ وہ حقیقت کے پیام رساں تھے اس لئے کہ ان کے پیام دل آشنا اور فطرت آشنا تھے اس لئے ہے کہ ان کی باتیں ہماری باتوں کی مانند نہیں تھیں اور اس لئے ہے کہ اس کام میں خدا کا فرمان اور اس کے بندے کارفرما تھے۔

3) یاور و مددگار طلب کرنے کی وجہ

امام حسین علیہ السلام نے اپنا پیغام نہ پتھر پر لکھا نہ کھدوایا بلکہ انہوں نے جو کچھ کہا وہ ہوا کی لہروں اور لوگوں کے کانوں میں گونجا اور دلوں پر ثبت ہو گیا اور اس طرح لکھ دیا گیا کہ اب دلوں

سے مٹایا نہیں جاسکتا۔ حضرت خود بھی اس حقیقت سے واقف تھے مستقبل کو بالکل درست طور پر دیکھ رہے تھے کہ اس کے بعد امام حسینؑ قتل نہیں ہو سکتے وہ کبھی مارے نہیں جاسکتے آپ دیکھیں یہ کیا ہے؟ کیا یہ محض ایک اتفاق ہوسکتا ہے؟ نہیں امام حسین علیہ السلام عاشور کے دن آخری گھڑیوں اور لمحوں میں فریاد کررہے تھے یعنی مدد طلب کررہے تھے اب بھی کوئی مددگار چاہتے تھے ایسے مددگار جو آئیں اور قتل ہوں ایسے مددگار نہیں جو آئیں اور انہیں بچائیں امام حسین علیہ السلام اپنے اصحاب، بھائیوں اور بیٹوں کے مارے جانے کے بعد بے شک وشبہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ زندہ رہیں لیکن یہ ضرور چاہتے تھے کہ دوست ومددگار اب بھی آئیں اور قتل ہوں۔

اس وجہ سے امامؑ عالی مقام نے ھل من ناصر ینصرنی کی صدا بلند کی، جب آپؑ کی صدا خیموں تک پہنچی تو خواتین میں کہرام مچ گیا رونے کی آوازیں بلند ہونے لگیں، امام حسین علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت ابوالفضل العباس اور اہل بیتؑ کے ایک اور فرد کو خیموں میں بھیجا اور فرمایا جاؤ اور ان مستورات کو کہہ دو کہ خاموش ہوجائیں وہ آئے اور انہوں نے خواتین کو خاموش کروادیا۔

4) مومنین کا حسینؑ سے تعلق ہے

آج ہم کیوں حسینؑ پر فدا ہوتے ہیں؟ کیونکہ پیغمبرؐ نے فرمایا تھا کہ حسین منی وانا من الحسین اور ہم سب اسے اپنے اندر محسوس کرتے ہیں۔ یعنی حسینؑ کو خود سے اور خود کو حسینؑ سے جدا نہیں سمجھتے، ہم حسینؑ کو اس انداز میں نہیں دیکھتے کہ یہ ان کا انفرادی مسئلہ تھا، ہم انہیں ایک کلی روح کے طور پر جانتے ہیں کہ جو قبل از شہادت ہماری فکر میں تھا، اس لئے وہ ہماری روح اور تقدیر کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں ہم ان سے اور وہ ہم سے جدا نہیں۔

5) حسینؑ کے نام اور ان کی یاد کو زندہ رکھنا

عاشور کے حادثہ میں ہمیں جو چیز حسین بن علیؑ میں نظر آتی ہے اس کی مثال نہیں ملتی، اس مصیبت کے دن توحید، ایمان، خدا شناسی، ایمان کامل، تسلیم و رضا، صبر، مردانگی، اطمینان نفس، ثبات واستقامت، عزت اور کرامت نفس، آزادی کی چاہت اور آزادی طلب کرنا اس لئے

کہ یہ بات انسانی فکر میں ہے، انسان کو یہ بات یاد رہے کہ اگر دنیا میں کوئی اور ایسا نمونہ مل سکے تو پھر کہنا کہ ہم حسین بن علیؑ کا نام کیوں زندہ کریں؟ (بدل نہیں، یہ بے نظیر ہے) آپ کی تحریک اور نام کو زندہ رکھنے کا مقصد یہ ہے کہ ہماری روح حسین بن علیؑ کی روح کے زیر سایہ رہے۔

6) عاشورا اسلام کا مجسمہ ہے

جب ہم اسلام کی جامعیت کو دیکھتے ہیں تو اس وقت ہمیں تحریک حسینی کو مدنظر رکھنا چاہیے کہ کربلا میں امام حسینؑ نے کلیات اسلام پر عمل کر کے دکھایا، اسے مجسم کیا، لیکن ایک زندہ جسم ایک حقیقی جاندار، نہ کہ بے روح جسم، انسان جب کربلا کے واقعات پر غور کرتا ہے تو اسے ایسے امور نظر آتے ہیں جن سے وہ حیرت زدہ ہو جاتا ہے اور کہتا ہے یہ واقعات اتفاقیہ نہیں ہو سکتے، آئمہ اطہارؑ کی اس واقعہ کربلا کو زندہ رکھنے کی وصیت اور تاکید کا راز یہ ہے کہ یہ واقعہ اسلام کا مجسم نمونہ ہے اس لئے اس مجسم اسلام کو فراموش نہیں ہونا چاہیے۔

7) تا قیامت زندہ و جاوید رہنے والی تحریک

جو اصحاب مدینہ سے حضرتؑ کے ساتھ آئے تھے ان کی تعداد بہت کم تھی، شاید وہ تعداد میں بیس بھی نہیں تھے، کیونکہ چند لوگ راستے میں جدا ہو کر چلے گئے پھر اس میں سے بیشتر کربلا کے بہتر (72) افراد میں شامل ہو گئے اور بہت سے عمر سعد کے لشکر سے جدا ہو کر امام حسینؑ کے ساتھ آملے، ان میں سے بعض ایسے تھے کہ جب خیموں کے قریب سے گزرتے اور مناجات و دعا کی پرسوز آواز سنتے تلاوت قرآن کی صدا سنتے، ذکر خدا ذکر رکوع، ذکر سجود، سورہ حمد اور دوسری سورتیں سنتے تو جذب ہو جاتے اور اس کا ان پر اثر ہو جاتا، یعنی امام حسینؑ نے ہر اس وسیلے سے استفادہ کیا جس کا اثر ہو سکتا تھا یہاں تک کہ وہ تمام وسائل جن کا امام حسین علیہ السلام کربلا کے صحرا میں استفادہ کر سکتے تھے۔ امام حسینؑ نے اس طرح اس صورتحال کو ترتیب دیا کہ گویا یہ ایک تاریخی نمائش ہو تا کہ وہ تا قیامت ایک ہلانے والے تاریخی واقعے کی مانند زندہ رہے۔

8) امام حسینؑ کی طاقتور تحریک

ایک بلیغ تحریک وہ ہوتی ہے جو کوئی ایسا پیغام رکھتی ہو کہ وہ دلوں پر افکار پر اور احساسات پر اثر رکھے اور بہترین انداز میں اپنا پیغام پہنچائے، ہم اس پہلو پر نظر ڈالتے ہیں، تو ہم دیکھتے ہیں کہ تحریک حسینی سے زیادہ بلیغ تر اور رساتر پیغام رسانی پوری دنیا میں کسی اور تحریک میں نظر نہیں آتی جو مکان کے لحاظ سے تو پوری دنیا میں پھیل گئی ہے ہو اور زمان کے لحاظ سے چودہ سو صدیاں بیت گئیں اب بھی اس واقعے میں ایسی قدرت ہے جو کم نہیں بلکہ روز بروز اضافہ ہو رہا ہے یہ تحریک فوق العادہ قوی ہے۔

9) حسینؑ نور جو خاموش نہیں ہوگا

ہمارے شاعروں نے شہادت کا ذمہ دار آسمان کو ٹھہرایا ہے، کمیت اس قسم کا شاعر نہیں تھا وہ ایک قصیدہ کہتا تھا تو دنیا لرز جاتی تھی، لیکن امام حسینؑ کی تاریخ کے ساتھ، حسینؑ کے نام کے ساتھ اور حسینؑ کے مرثیے کے ساتھ دشمنوں نے کیا کیا نہیں کیا؟ ان کے لئے امام حسینؑ کی قبر بھی ایک مصیبت بن چکی ہے لوگوں نے ارادہ کیا کہ آپؑ کی قبر برباد کر دی جائے قبر ڈھا دی گئی اس کے تمام نشانات مٹا ڈالے، زمین ہموار کر دی گئی، قبر کی جگہ اس طرح پانی بھر دیا گیا کہ کسی کو پتا نہ چل جائے کہ امام حسینؑ کی قبر کس مقام پر واقع ہے، لیکن کیا ایسا ہوا؟ لوگ وہاں اور زیادہ پہنچنا شروع ہو گئے۔

اسیرانِ کربلا کا قیامِ عاشورا کی ترویج اور بقاء میں کردار

واقعہ کربلا اپنے المیاتی اور مزاحمتی ہر دو پہلوؤں میں ہمتِ بشری کی عظیم ترین اور بے مثال روائت ہے۔ جہاں حقائق میں درپیش انسان کو المیوں کی انتہا ہے وہیں ہر المیے کے ردّعمل میں المے کے حجم سے بڑھ کر اپنے مؤقف کے ساتھ غیر متزلزل استواری بھی موجود ہے۔ المیے کی انتہا

یہ ہے کہ واقعات کا تذکرہ صدیوں بعد بھی مقبول ترین عنوانِ گریہ وعزاء ہے۔اور ضبط و برداشت کا یہ عالم کہ جبر واستبداد کے خلاف حسینؑ اور حسینیت کا میابی وجد وجہد کا بہترین استعارہ ہے۔

سوال یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام اوران کے اعوان وانصار کو عاشورہ کے دن کربلا میں بے دردی کے ساتھ قتل کرنے کے بعد خاندان اہل بیت علیہم السلام کو قید کرنے اور اسیران کربلا کے قافلے کو کربلا سے کوفہ اور پھر شام منتقل کرنے سے بنوامیہ کیا ہدف حاصل کرنا چاہتے تھے؟

حادثہ کربلا تاریخ کے جس دور میں وقوع پذیر ہوا وہ ان افکار کا نتیجہ تھا کہ جو امیر المومنین علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد حکومت اسلامی کے ذریعے اور اسلام کے نام پر عوام کے اندر ایجاد ہوئے تھے اور اموی حکومت وقت یہ ارادہ رکھتی تھی کہ لوگوں کا ذہن اور اس کی توجہ کو اہلبیت علیہم السلام کے رستے سے ہٹا دے اور اس ہدف کو حاصل کرنے کے لئے علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد بیس سال کے دوران بنوامیہ خصوصا معاویہ نے شام میں اس مسئلے پر کام کیا تھا کہ اہلبیت علیہم السلام کو دین کے مخالف، عوام کے مخالف اور اسلامی عقائد کی مخالف ہستیوں کے طور پر شناخت کروائے اور اس چیز کو ظاہر کرے کہ اہل بیت علیہم السلام رسول خداؐ کے سے راستے دور ہو چکے ہیں۔اس راستے میں وہ اس حد تک چلا گیا تھا کہ امیر المومنین علی علیہ السلام کا شام میں خلیفہ سوم کے قاتل کے طور پر تعارف کروائے اور یہ افکار عراق اور کوفہ میں بھی رائج تھے۔اس طرح کی شرائط میں اگر سید الشہداء علیہ السلام قیام نہ کرتے اور آپ کی شہادت نہ ہوتی تو دین کا نام ونشان باقی نہ رہتا جیسا کہ معصوم ع کی زبان سے بیان ہے کہ "اگر امام حسنؑ کی صلح اور امام حسینؑ کا قیام نہ ہوتا تو بنوت ورسالت کی زحمات رایگان چلی جاتیں اور اصول دین یعنی توحید ومعاد۔۔۔ختم ہو چکے ہوتے"۔اسی لئے امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں۔۔اگر میرے والد بزرگوار امام حسین علیہ السلام شہید نہ ہوتے تو اسلام باقی نہ رہتا۔

خلافت بنوامیہ نے وہ ظلم وستم جو سید الشہداء علیہ السلام اوران کے اعوان وانصار پر ڈھائے تھے یہاں تک کہ قتل کرنے کے بعد ان کے پاک مطہر اجساد کو بھی دفن نہیں کیا تا کہ ان کا کوئی نام و

نشان باقی نہ رہے۔اوراس کے علاوہ وہ خاندان اہل بیت کی اس اسیری سے بھی ان کا ہدف یہ تھا کہ لوگوں کو یہ بتا سکیں کہ ایک گروہ نے خلیفہ کے خلاف خروج کیا ہے یہ خاندان خارجی ہے یعنی دین سے خارج ہو چکا ہے اور غیر مسلمان ہیں تا کہ معاشرے میں وہ افواہیں جو انہوں نے پھیلا رکھی تھیں کہ اہل بیت دین رسول خداؐ سے دور ہو چکے ہیں ان کو ثابت کر سکیں۔لیکن اس چیز سے غافل تھے کہ خداوند تعالیٰ کی منشاء یہ تھی کہ سید الشہداء علیہ السلام شہید ہوں اور ان کے اہل بیت اسیر کیے جائیں تا کہ بنوامیہ کی چال اور مکروفریب لوگوں کے سامنے آسکے۔

بلاشک وشبہ سید الشہدا کے خاندان کا اسیر ہونا اور تحریک کربلا اور عاشورا کی ترویج کی ذمہ داری اور مسئولیت کو اٹھانا اور اس حد تک اس عظیم ذمہ داری کو نبھایا کہ یزید بالآخران کو آزاد کرنے پر مجبور ہو گیا۔اسراء کربلا نے اسیری میں مظلومیت اور حقیقت کربلا کی آواز کو تمام عالم تک پہنچایا۔ کیونکہ اسراء کربلا کے آنے سے پہلے دمشق میں امیر المومنین علی علیہ السلام کا نام لینے کی کوئی جرأت نہیں کرتا تھا۔لیکن امام سجاد علیہ السلام کے مسجد دمشق میں خطبے نے شور وغوغا برپا کر دیا اور بنوامیہ کی تقریباً تیس سال سے زائد شام میں کوششوں کو برباد کر کے رکھ دیا۔اوراس چیز کا سبب بنا کہ خود یزید قاتلان امام حسین علیہ السلام پر لعنت کرے اس لحاظ سے اسرائے کربلا کا واقعہ کربلا کے بعد مشکلات کو برداشت کرنا حقیقت اسلام کو روشناس کرنے کا باعث بنا۔اور یہ عبارت ایک حقیقت ہے کہ کربلا کربلا میں رہ جاتی اگر زینب سلام اللہ علیہا نہ ہوتیں۔کیوں کہ زینب سلام اللہ علیہا نے صدا شہادت امام حسین علیہ السلام کو اپنے خطبوں میں کوفہ وشام کے بازاروں میں اس طرح بلند کیا کہ یزید کی حکومت کو لپیٹ کر رکھ دیا۔

کربلا جنابِ زینبِ (سلام اللہ علیہا) کی ہمسفر نہ ہوتی تو شعورِ انسانیت، کربلا کے اعجاز آفریں اثرات سے یقیناً محروم رہ جاتا۔وہ آنکھ جو صبح سے عصرِ عاشور تک اندوہ ناک المیے دیکھتی خونچکاں رہی، شام ڈھلتے ہی روشنی کا امین چراغ ہو گئی۔دستِ جبر رکا نہیں، المیہ جاری ہے لیکن سیدہ زینبِ (سلام اللہ علیہا) صفِ عزا پر جبرِ باطل کے مقابل وہ معرکہ گرم کرتی ہیں کہ خوف وہوس

کے سرد خانوں میں منجمد انسانی احساس زندگی کی دستکیں سننے لگتا ہے۔

بھائیوں، بیٹوں، بھتیجوں اور انصار کے خنجر رسیدہ سر نیزوں پر بلند ہیں۔ جشن فتح میں غرق مردہ ضمیروں کے مجمع ہیں۔ اسیری کی اعصاب شکن اذیت ہے۔ اور جلوسِ اعداء واغیار میں فلک مآب عصمت وطہارت کی امین ثانی زہرا تلخ ترین غم واندوہ کو سپرد حرف و بیاں کرتی ہیں تو نہ صرف لہجے سے تمکنتِ فاتح خیبر کی مہک آتی ہے بلکہ الیے کے افق سے حق کی دائمی بالادستی کی نوید طلوع ہوتی نظر آتی ہے۔

اسی طرح سید الساجدین، زین العابدین امام سجاد علیہ السلام نے شجاعت و بہادری کے ساتھ کوفہ وشام کے بازاروں اور درباروں میں مردہ ضمیروں کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔۔

بازارِ کوفہ میں امام سجاد علیہ السلام کا خطبہ

جس وقت اسیران اہل حرم کا قافلہ کوفہ میں داخل ہوا، اس وقت لوگون کا جم غفیر تماشائی بن کر اکٹھا ہوا؛ خاندان رسول کے لئے یہ ایک اچھی فرصت تھی کہ ابن زیاد کے دربار میں جانے سے پہلے لوگوں کے سامنے حقیقت کو واضح کرسکیں اور تحریک عاشورا سے روشناس کرواسکیں۔

دربار ابن زیاد میں جانے سے پہلے امام سجاد علیہ السلام نے لوگوں سے خاموش ہونے کا اشارہ کیا، اس تکوینی اشارہ کی خاصیت یہ تھی کہ لوگوں کی سانسیں تھم گئیں اور ایک عجیب سکوت چھا گیا۔

حزیم ابن شریک اسدی کہتے ہیں: اس وقت امام سجاد علیہ السلام نے حمد وثنائے الٰہی کو بجا لانے کے بعد، رسول خدا صلی اللہ وعلیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:(اے لوگو! جو کوئی ہمیں جانتا، پہچانتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ میں کون ہوں اور جو ہمیں نہیں پہچانتا وہ جان لے کہ میں علی ابن حسین (علیہما السلام) ہوں کہ جن کو لب فرات پر بغیر کسی جرم وخطا اور بنا کسی خون بہا کے، ذبح کردیا گیا۔ میں اس کا فرزند ہوں جن کی حرمت کو پامال کیا گیا اور ان کے مال و اسباب کو لوٹا گیا اور ان کے خاندان کو اسیر کیا اور میں اس کا فرزند ہوں جس کو صبر کی حالت میں قتل کیا گیا اور یہی افتخار ہمارے لئے کافی ہے۔

اے لوگو! تمہیں خدا کی قسم ہے؛ کیا تمہیں یاد ہے کہ تم نے ہی میرے والد کو خطوط لکھے اور ان کو دعوت دی بعد میں انھیں دھوکہ دیا؟ ان کے ساتھ وفاداری کا عہد کیا اور ان کے نمایندہ کے ساتھ بیعت کی اور پھر اہم وقت وحالات میں انہیں اکیلا چھوڑ دیا اور ان سے جنگ کرنے لگے اور ان کو رسوا کیا۔ وائے ہو تم پر، نابودی ہو تمہارے لئے، تم نے کتنا برا توشہ آخرت فراہم کیا، تمہارا عقیدہ اور کردار کتنا برا تھا۔ کس آنکھ سے پیغمبر کو دیکھو گے جب وہ یہ کہیں گے کہ تم نے میری عترت کو قتل کیا اور میری حرمت کو پامال کیا تو اب تم ہماری امت میں سے نہیں ہو)

حزیم کہتے ہیں: جب امام علیہ السلام کی گفتگو اس مقام تک پہونچی تو لوگوں کی آوازیں بلند ہونے لگیں، ہر طرف سے رونے کی آواز آنے لگی، سب ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ ہم سب ہلاک ہو گئے اور ہمیں معلوم بھی نہیں ہوا۔ (احتجاج طبرسی، ج2،ص 117۔119)

امام سجاد نے پھر سے سلسلہ کلام شروع کرتے ہوئے فرمایا:

خدا اس بندے پر رحم کرے جو میری نصیحت کو قبول کرے اور میری وصیت کو خدا و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں یاد رکھے کیونکہ تمہارے لئے رسول خداؐ کی زندگی میں اعلیٰ ترین نمونہ موجود ہے۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا:

یا بن رسول اللہؐ سب آپ کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔ آپ جو حکم دیں گے ضرور اس کی تعمیل کی جائے گی۔ ہم آپ کے دوستوں کے دوست اور دشمنوں کے دشمن ہیں۔

امام سجادؑ نے ان کا یہ کلامِ فریب انضمام سن کر فرمایا

ھیھات اے گروہِ مکاراں وعیاراں! اب تمہاری یہ خواہش پوری نہیں ہوسکتی۔ اب تم چاہتے ہو کہ میرے ساتھ بھی وہی سلوک کرو جو میرے اب وجد کے ساتھ کر چکے ہو؟ حاشا وکلا۔ ایسا اب ہرگز نہیں ہوسکتا۔ بخدا! ابھی تک تو سابقہ زخم بھی مندمل نہیں ہوئے۔ کل تو میرے پدر عالی قدر کو ان کے اہل بیت کے ساتھ شہید کیا گیا، ابھی تک تو مجھے اپنے اب وجد اور بھائیوں کی شہادت کا صدمہ فراموش نہیں ہوا۔ بلکہ ان مصائب کے غم والم کی تلخی میرے حلق میں ابھی موجود ہے اور غم وغصہ کے

گھونٹ ابھی تک میرے سینہ کی ہڈیوں میں گردش کر رہے ہیں۔ ہاں تم سے صرف اس قدر خواہش ہے کہ نہ ہمیں فائدہ پہنچاؤ اور نہ ہی نقصان۔

حضرتِ زینبِ عالیہ صلوات اللہ علیہا کا خطبہ

اس وقت عقیلہ بنی ہاشم نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ لوگوں کے گریہ و بکا اور شور و شغب کی وجہ سے کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ لیکن راویان اخبار کا بیان ہے کہ جونہی شیرِ خدا کی بیٹی نے لوگوں کو ارشاد کیا کہ: انصتوا خاموش ہو جاؤ! تو کیفیت یہ تھی کہ: ارتدت الانفاس و سکنت الاجراس۔ آتے ہوئے سانس رک گئے اور جرس کارواں کی آوازیں خاموش ہو گئیں۔ اس کے بعد خطیب منبر سلونی کی دختر نے خطبہ شروع کیا تو لوگوں کو حضرت علیؑ کا لب ولہجہ اور ان کا عہد معدلت انگیز یاد آ گیا۔ راوی (حذام اسدی یا بشیر بن خریم اسدی) کہتا ہے:

خدا کی قسم میں نے کبھی کسی خاتون کو دختر علیؑ سے زیادہ پرزور تقریر کرتے ہوئے نہیں دیکھا (بی بی کے لب ولہجہ اور اندازِ خطابت سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ) گویا جناب امیر المومنینؑ کی زبان سے بول رہی ہیں۔ بالفاظ دیگر یوں محسوس ہوتا کہ حضرت امیر آپ کی زبان سے بول رہے ہیں۔

جب ہر طرف مکمل خاموشی چھا گئی تو امّ المصائب نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

سب تعریفیں خداوند ذوالجلال والاکرام کے لئے ہیں اور درود و سلام ہو میرے نانا محمدؐ پر اور ان کی طیب و طاہر اور نیک و پاک اولاد پر۔ امابعد! اے اہلِ کوفہ! اے اہل فریب و مکر! کیا اب تم روتے ہو؟ (خدا کرے) تمھارے آنسو کبھی خشک نہ ہوں اور تمھاری آہ و فغان کبھی بند نہ ہو! تمھاری مثال اس عورت جیسی ہے جس نے بڑی محنت و جانفشانی سے محکم ڈوری باندھی اور پھر خود ہی اسے کھول دیا اور اپنی محنت پر پانی پھیر دیا تم (منافقانہ طور پر) ایسی جھوٹی قسمیں کھاتے ہو۔ جن میں کوئی صداقت نہیں۔ تم جتنے بھی ہو، سب کے سب بیہودہ گو، ڈینگ مارنے والے، پیکرِ فسق و فجور اور فسادی، کینہ پرور اور لونڈیوں کی طرح جھوٹے چاپلوس اور دشمنی کی غماز ہو۔ تمھاری یہ

کیفیت ہے کہ جیسے کثافت کی جگہ اگی ہوئی سبزی یا اس چاندی جیسی ہے جو دفن شدہ عورت (کی قبر) پر رکھی جائے۔

آگاہ رہو! تم نے بہت ہی برے اعمال کا ارتکاب کیا ہے۔ جس کی وجہ سے خداوند عالم تم پر غضب ناک ہے۔ اس لئے تم اس کے ابدی عذاب وعتاب میں گرفتار ہو گئے۔ اب کیوں گریہ وبکا کرتے ہو؟ ہاں بخدا البتہ تم اس کے سزاوار ہو کہ روؤ زیادہ اور ہنسو کم۔ تم امام علیہ السلام کے قتل کی عار وشنار میں گرفتار ہو چکے ہو اور تم اس دھبے کو کبھی دھو نہیں سکتے اور بھلا تم خاتم نبوت اور معدن رسالت کے سلیل (فرزند) اور جوانان جنت کے سردار، جنگ میں اپنے پشت پناہ، مصیبت میں جائے پناہ، منارہ حجت اور عالم سنت کے قتل کے الزام سے کیونکر بری ہو سکتے ہو۔ لعنت ہو تم پر اور ہلاکت ہے تمہارے لئے۔ تم نے بہت ہی برے کام کا ارتکاب کیا ہے اور آخرت کے لئے بہت برا ذخیرہ جمع کیا ہے۔ تمھاری کوشش رائیگاں ہوگئی اور تم برباد ہو گئے۔ تمہاری تجارت خسارے میں رہی اور تم خدا کے غضب کا شکار ہو گئے۔ تم ذلت ورسوائی میں مبتلا ہوئے۔ افسوس ہے اے اہل کوفہ تم پر، کچھ جانتے بھی ہو کہ تم نے رسولؐ کے کس جگر کو پارہ پارہ کر دیا؟ اور ان کا کون سا خون بہایا؟ اور ان کی کون سی ہتک حرمت کی؟ اور ان کی کن مستورات کو بے پردہ کیا؟ تم نے ایسے اعمال شنیعہ کا ارتکاب کیا ہے کہ آسمان گر پڑیں، زمین شگافتہ ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ تم نے قتلِ امام کا جرم شنیع کیا ہے جو پہنائی و وسعت میں آسمان و زمین کے برابر ہے۔ اگر اس قدر بڑے ظلم پر آسمان سے خون برسا ہے تو تم تعجب کیوں کرتے ہو؟ یقیناً آخرت کا عذاب اس سے زیادہ سخت اور رسوا کن ہوگا۔ اور اس وقت تمہاری کوئی امداد نہ کی جائے گی۔ تمہیں جو مہلت ملی ہے اس سے خوش نہ ہو۔ کیونکہ خداوندِ عالم بدلہ لینے میں جلدی نہیں کرتا کیونکہ اسے انتقام کے فوت ہو جانے کا خدشہ نہیں ہے۔ ''یقیناً تمہارا خدا اپنے نافرمان بندوں کی گھات میں ہے۔''

اہلیانِ کوفہ کی حالت

پھر بی بیِ عالم نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ لوگ حیران و

سرگرداں ہیں اور تعجب سے انگلیاں مونہوں میں ڈالے ہوئے ہیں۔ میں نے ایک عمر رسیدہ شخص کو دیکھا جو میرے پہلو میں کھڑا رو رہا تھا۔ اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو چکی تھی۔ ہاتھ آسمان کی طرف بلند تھے اور وہ اس حال میں کہہ رہا تھا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! آپ کے بزرگ سب بزرگوں سے بہتر، آپ کے جوان سب جوانوں سے افضل، آپ کی عورتیں سب عورتوں سے اشرف، آپ کی نسل سب نسلوں سے اعلیٰ اور آپ کا فضل عظیم ہے۔

جناب امّ کلثوم سلام اللہ علیہا کا خطبہ

مخدومہ کونین صلوات اللہ علیہا کے بعد جناب امّ کلثوم بنت حیدرِ کرار نے بآواز بلند آہ و بکا کرتے ہوئے یہ خطبہ ارشاد فرمایا: تمام حمد وثنا خداوند قادر و مطلق کے لئے ہے اور درود وسلام ان ہستیوں پر جو لائقِ درود وسلام ہیں۔

امابعد! اے اہل کوفہ برائی ہو تمہارے لئے، تم نے کیوں حسین کی نصرت نہ کی۔؟ ان کو شہید کر دیا اور ان کے مال و اسباب کو لوٹا اور اسے اپنا ورثہ بنا لیا اور ان کے اہل وعیال کو قید کیا۔ تمہارے لئے ہلاکت اور رحمت ایزدی سے دوری ہو۔ وائے ہو تمہارے حال پر۔ کیا کچھ معلوم بھی ہے کہ تم کن مصائب میں مبتلا ہوئے اور کیا بوجھ اپنی پشتوں پر اٹھایا اور کن کے خون تم نے بہائے۔ کن اہلِ حرم کو تکلیفیں پہنچائیں۔ کن مخدرات کو لوٹا اور کن اموال پر ناجائز قبضہ کیا۔ تم نے ایسے شخص (امام حسین) کو قتل کیا جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام لوگوں سے افضل تھا۔ رحم تمہارے دلوں سے اٹھا لیا گیا۔ یقیناً خدا کا گروہ ہی کامیاب و کامران ہوتا ہے اور شیطانی گروہ خائب وخاسر ہوتا ہے۔ پھر حزن وملال میں ڈوبے ہوئے یہ اشعار پڑھے:

وائے ہو تم پر! تم نے بلاقصور میرے بھائی کو شہید کیا، اس کی سزا تمہیں جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں دی جائے گی، تم نے ایسے خون بہائے جن کے بہانے کو خدا، رسول اور قرآن نے حرام قرار دیا تھا۔ تمہیں آتش جہنم کی بشارت ہو کہ جس میں تم ابدالآباد تک معذب رہو گے۔

میں اپنے اس بھائی پر جو بعد از رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب لوگوں سے افضل تھا زندگی بھر روتی رہوں گی اور کبھی نہ خشک ہونے والا سیلِ اشک بہاتی رہوں گی۔

خطبہ کا اثر

جناب امّ کلثوم کے خطبہ کا اس قدر اثر ہوا کہ روتے روتے لوگوں کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ عورتیں اپنے بال بکھیر کر ان میں خاک ڈالنے لگیں اور چہروں پر طمانچے مارنے شروع کئے۔ اسی طرح مرد شدت غم سے نڈھال ہو کر اپنی داڑھیاں نوچنے لگے۔ اس روز سے زیادہ رونے والے مرد اور عورتیں کبھی نہیں دیکھی گئیں۔

دربارِ ابن زیاد میں پیشی

ان خطبات کے بعد اسیران اہل بیت کا لٹا ہوا قافلہ دربارِ ابن زیاد کی طرف روانہ ہوا۔ ادھر ابن زیاد نے تمام لوگوں کو حاضری کا اذن عام دے رکھا تھا۔ اس لئے دربار، درباریوں اور تماش بینوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ سب سے پہلے شہداء کے سر دربار میں پہنچائے گئے اور اس کے بعد اسیران کرب و بلا کو دربار میں پیش کیا گیا۔

دربار میں ان اسیران خانوادہ نبوت و رسالت کے ساتھ جو اندوہناک سلوک روا رکھا گیا، تواریخ و مقاتل کی کتب اس سے بھری پڑی ہیں۔ یہاں طوالت اور موضوع کے پیش نظر ان کے بیان سے قاصر ہیں۔ لہٰذا قارئین سے معذرت کے ساتھ ہم آگے کا سفر جاری رکھتے ہیں۔

اسرائے اہل بیتؑ کی دمشق میں آمد

صبر و استقلال اور عزم و ہمت کی تاریخ رقم کرنے کے ساتھ ساتھ لشکر یزیدی کے بے حد و انتہا ظلم و جور کو آزمائش خداوندی تسلیم کرتے ہوئے یہ کاروان حسینی، جو کہ اب کرب و بلا کی شیر دل خاتون کی قیادت میں آ کر کاروان زینبی کی شکل اختیار کر چکا تھا، شہر شام میں داخل ہوا۔ کرب و بلا سے لے کر کوفہ اور کوفہ سے لے کر شام تک اس قافلہ پر کیا کیا مصائب و آلام ڈھائے گئے؟ اس کارواں کو کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا؟ ظلم و بربریت کے پہاڑ کس قدر توڑے گئے؟ تشدد و

حیوانیت کی کیا کیا مثالیں قائم کی گئیں؟ اور اس بے یارو مددگار اور مظلوم ومقہور قافلہ کے افراد نے کس کمال پامردی اور حوصلہ کے ساتھ ان کا سامنا کیا؟ یہ تمام واقعات وحالات روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔

مختصراً شام کے لوگوں نے اسلامی دستور اور تعلیمات کو خالد بن ولید، معاویہ، زیاد اور ان جیسے افراد کی رفتار وکردار کے آئینے میں دیکھا تھا۔ انہیں سیرت پیغمبرؐ اور مہاجرین وانصار کے طرز عمل کا کچھ پتہ نہ تھا۔ ۶۱ ہجری میں شام میں چند افراد تھے جن کی عمریں ساٹھ سال سے اوپر تھیں۔ ان کی ترجیح یہی تھی کہ وہ ایک کونے میں بیٹھ جائیں اور جو کچھ ہو رہا ہے، اس سے آنکھیں بند کرلیں۔ شام کے لوگ یہ بات سننے پر آمادہ نہ تھے کہ حضرت محمدؐ کے رشتہ دار اور قریبی بنی امیہ کے علاوہ کوئی اور بھی ہیں۔

اکثر مقتل کی کتب میں یہ لکھا ہے کہ اسیروں کے شہر دمشق میں داخل ہونے کے موقع پر لوگوں نے شہر کو سجایا ہوا تھا۔ یزید نے اپنے دربار میں یہ اشعار پڑھے:

کاش! آج میرے جنگ بدر میں مارے جانے والے بزرگ موجود ہوتے تو دیکھتے کہ میں نے کس طرح محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل سے ان کا انتقام لیا ہے۔

کیونکہ اس دن یزید کی مجلس میں اس کے اردگرد ایسے افراد بیٹھے تھے کہ جنہوں نے اسلام اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اقتدار وحکومت تک پہنچنے کا ذریعہ بنایا ہوا تھا نہ کہ قربتِ خدا کا ذریعہ۔

آپ ملاحظہ فرمائیں کہ دونوں محفلیں ایک طرح کی ہیں اور باتیں بھی ایک جیسی ہیں۔ کوفے میں ابن زیاد بھی خوشی سے پھولا نہیں سماتا تھا کہ اس نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے اور عراقیوں کے ہاتھوں سے ان کی قوت چھین لی ہے۔ شام میں یزید افتخار کر رہا ہے کہ جنگ بدر میں اس کے مقتول بزرگوں کا خون رائیگاں نہیں گیا۔ اگر یہ معاملہ یہیں پر ختم ہو جاتا ہو تو کامیاب تھا، لیکن جناب زینب نے اسے اس کی کامیابی کا پھل کھانے نہ دیا۔ وہ جسے اپنے لئے شیریں سمجھ رہا تھا جنابِ زینب عالیہ نے اس کا مزہ حد سے زیادہ کڑوا کر دیا اور اس کے لئے تلخ بنا دیا۔ جناب زینب نے پابرہنہ اور بے

مقنعہ و چادر اپنی مختصر گفتگو میں اہل مجلس کو سمجھا دیا کہ ان پر حکومت کرنے والا کون ہے اور کس کے نام پر حکومت کر رہا ہے۔ اور رسیوں میں جکڑے اس کے سامنے کھڑے قیدی کون ہیں۔

جب کبھی غیرتِ انساں کا سوال آتا ہے
بنتِ زہرا تیرے پردے کا خیال آتا ہے

جنابِ زینبِ کبریٰ سلام اللہ علیہا کا دربارِ یزید میں خطبہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سب تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جو کائنات کا پروردگار ہے۔ اور خدا کی رحمتیں نازل ہوں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور ان کی پاکیزہ عترت واہل بیت پر۔ اما بعد! بالآخر برا ہے انجام ان لوگوں کا جنہوں نے اپنے دامن حیات کو برائیوں کی سیاہی سے داغدار کر کے اپنے خدا کی آیات کی تکذیب کی اور آیات پروردگار کا مذاق اڑایا۔ اے یزید! کیا تو سمجھتا ہے کہ تو نے ہم پر زمین کے گوشے اور آسمان کے کنارے تنگ کر دیئے ہیں اور کیا آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسیوں اور زنجیروں میں جکڑ کر دربدر پھرانے سے تو خدا کی بارگاہ میں سرفراز اور ہم رسوا ہوئے ہیں۔ کیا تیرے خیال میں ہم مظلوم ہو کر ذلیل ہو گئے اور تو ظالم بن کر سربلند ہوا ہے۔ کیا تو سمجھتا ہے کہ ہم پر ظلم کر کے خدا کی بارگاہ میں تجھے شان و مقام حاصل ہو گیا ہے۔ آج تو اپنی ظاہری فتح کی خوشی میں سرمست ہے اور ناک بھوں چڑھاتا ہوا مسرت و شادمانی سے سرشار ہو کر اپنے غالب ہونے پر اترا رہا ہے۔ اور زمامداری کے ہمارے مسلمہ حقوق کو غصب کر کے خوشی و سرور کا جشن منانے میں مشغول ہے۔ اپنی غلط سوچ پر مغرور نہ ہو اور ذرا دم لے۔

کیا تو نے خدا کا یہ فرمان بھلا دیا ہے کہ حق کا انکار کرنے والے یہ خیال نہ کریں کہ ہم نے جو انہیں مہلت دی ہے وہ ان کے لئے بہتر ہے۔ بلکہ ہم نے اس لئے ڈھیل دے رکھی ہے کہ جی بھر کر اپنے گناہوں میں اضافہ کر لیں۔ اور ان کے لئے خوفناک عذاب معین و مقرر کیا جا چکا ہے۔

اے طلقاء کے بیٹے (آزاد کردہ غلاموں کی اولاد) کیا یہ تیرا انصاف ہے کہ تو نے اپنی مستورات اور لونڈیوں کو چادر اور چار دیواری کا تحفظ فراہم کر کے پردے میں رکھا ہوا ہے۔ جبکہ رسول زادیوں کو سر برہنہ دربدر پھرا رہا ہے۔ تو نے مخدرات عصمت کی چادریں لوٹ لیں اور ان کی بے حرمتی کا مرتکب ہوا۔ تیرے حکم پر اشقیاء نے رسول زادیوں کو بے نقاب کر کے شہر بہ شہر پھرایا۔ تیرے حکم پر دشمنان خدا اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکدامن مستورات بے پردہ لوگوں کے ہجوم میں لے آئے۔ اور لوگ رسول زادیوں کے کھلے چہرے کر ان کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ اور دور و نزدیک کے رہنے والے سب لوگ ان کی طرف نظریں اٹھا اٹھا کر دیکھ رہے ہیں۔ اور ہر شریف و کمینے کی نگاہیں ان پاک بی بیوں کے چہروں پر جمی ہیں۔

آج رسول زادیوں کے ساتھ ہمدردی کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ آج ان قیدی مستورات کے ساتھ ان کے مرد موجود نہیں ہیں جو اِن کی سرپرستی کریں۔ آج آلِ محمد کا معین و مددگار کوئی نہیں ہے۔ اس شخص سے بھلائی کی توقع ہی کیا ہو سکتی ہے جو اس خاندان کا چشم و چراغ ہو جس کی بزرگ خاتون (یزید کی دادی) نے پاکیزہ لوگوں کے جگر چبا کر تھوک دیا۔

اور اس شخص سے انصاف کی کیا امید ہو سکتی ہے جس کا گوشت پوست شہیدوں کے خون سے بنا ہو۔ وہ شخص کس طرح ہم اہل بیت پر مظالم ڈھانے میں کمی کر سکتا ہے جو بغض و عداوت اور کینے سے بھرے ہوئے دل کے ساتھ ہمیں دیکھتا ہے۔ اے یزید! کیا تجھے شرم نہیں آتی کہ تو اتنے بڑے جرم کا ارتکاب کرنے اور اتنے بڑے گناہ کو انجام دینے کے باوجود فخر و مباہات کرتا ہوا یہ کہہ رہا ہے کہ میرے اسلاف اگر موجود ہوتے تو ان کے دل باغ باغ ہو جاتے اور مجھے دعائیں دیتے ہوئے کہتے کہ اے یزید تیرے ہاتھ شل نہ ہوں۔ اے یزید! کیا تجھے حیا نہیں آتی کہ تو جوانانِ جنت کے سردار حسین ابن علیؑ کے دندان مبارک پر چھڑی مار کر ان کی بے ادبی کر رہا ہے۔

اے یزید تو کیوں نہ خوش ہو اور فخر و مباہات کے قصیدے پڑھے کیونکہ تو نے اپنے ظلم و استبداد کے ذریعے ہمارے دلوں کے زخموں کو گہرا کر دیا ہے۔ اور شجرہ طیبہ کی جڑیں کاٹنے کے

گھناؤنے جرم کا مرتکب ہوا ہے۔تو نے اولاد رسولؐ کے خون میں اپنے ہاتھ رنگین کئے ہیں۔تو نے عبدالمطلب کے خاندان کے ان نوجوانوں کو تہہ تیغ کیا ہے۔جن کی عظمت و کردار کے درخشندہ ستارے زمین کے گوشے گوشے کو منور کیے ہوئے ہیں۔آج تو آلِ رسولؐ کو قتل کر کے اپنے بدنہاد اسلاف کو پکار کر انہیں اپنی فتح کے گیت سنانے میں منہمک ہے۔

تو عنقریب اپنے ان کافر بزرگوں کے ساتھ مل جائے گا۔اور اُس وقت اپنی گفتار و کردار پر پشیمان ہو کر یہ آرزو کرے گا کہ کاش میرے ہاتھ شل ہو جاتے اور میری زبان بولنے سے عاجز ہوتی۔اور میں نے جو کچھ کیا اور کہا اس سے میں باز رہتا۔اس کے بعد حضرت زینب نے آسمان کی طرف منہ کر بارگاہِ الٰہی میں عرض کی ! اے ہمارے کردگارِ حق تو ہمارا حق ان ظالموں سے ہمیں دلا دے اور تو ہمارے حق کا بدلہ ان سے لے۔اے پردگار تو ہی ان ستمگروں سے ہمارا انتقام لے۔

اور اے خدا تو ہی ان پر اپنا غضب نازل فرما جس نے ہمارے عزیزوں کو خون میں نہلایا اور ہمارے مددگاروں کو تہہ تیغ کر دیا۔اے یزید! تو نے جو ظلم کیا ہے اپنے ساتھ کیا ہے۔تو نے کسی کی نہیں بلکہ اپنی ہی کھال چاک کی ہے۔اور تو نے کسی کا نہیں بلکہ اپنا ہی گوشت کاٹا ہے۔تو رسولِ خداؐ کے سامنے ایک مجرم کی صورت لایا جائے گا اور تجھ سے تیرے اس گھناؤنے جرم کی باز پرس ہو گی کہ تو نے اولادِ رسولؐ کا خونِ ناحق کیوں بہایا اور رسول زادیوں کو دربدر کیوں پھرایا۔نیز رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جگر پاروں کے ساتھ ظلم کیوں روا رکھا۔اے یزید ! یاد رکھ کہ خدا آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تجھ سے انتقام لے کر ان مظلوموں کا حق انہیں دلائے گا۔اور انہیں امن وسکون کی نعمت سے مالا مال کر دے گا۔خدا کا فرمان ہے کہ تم گمان نہ کرو کہ جو لوگ راہِ خدا میں مارے گئے وہ مر مٹ چکے ہیں۔بلکہ وہ ہمیشہ کی زندگی پا گئے اور بارگاہِ الٰہی میں سے روزی پا رہے ہیں۔

اے یزید! یاد رکھ کہ تو نے جو ظلم آلِ محمد پر ڈھائے ہیں اس پر رسول خداؐ عدالتِ الٰہی میں تیرے خلاف شکایت کریں گے۔اور جبرائیلِ امین آلِ رسول کی گواہی دیں گے۔پھر خدا اپنے عدل و انصاف کے ذریعے تجھے سخت عذاب میں مبتلا کر دے گا۔اور یہی بات تیرے برے انجام کے

لئے کافی ہے۔

عنقریب وہ لوگ بھی اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے جنہوں نے تیرے لئے ظلم و استبداد کی بنیادیں مضبوط کیں اور تیری آمرانہ سلطنت کی بساط بچھا کر تجھے اہل اسلام پر مسلط کر دیا۔ ان لوگوں کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ ستمگروں کا انجام برا ہوتا ہے اور کس کے ساتھی ناتوانی کا شکار ہیں۔

اے یزید! یہ گردش ایام اور حوادث روزگار کا اثر ہے کہ مجھے تجھ جیسے بدنہاد سے ہمکلام ہونا پڑا ہے اور میں تجھ جیسے ظالم و ستمگر سے گفتگو کر رہی ہوں۔ لیکن یاد رکھ میری نظر میں تُو ایک نہایت پست اور گھٹیا شخص ہے جس سے کلام کرنا بھی شریفوں کی توہین ہے۔ میری اس جرأت سخن پر تُو مجھے اپنے ستم کا نشانہ ہی کیوں نہ بنا دے لیکن میں اسے ایک عظیم امتحان اور آزمائش سمجھتے ہوئے صبر و استقلال اختیار کروں گی اور تیری بدکلامی و بدسلوکی میرے عزم و استقلال پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔

اے یزید! آج ہماری آنکھیں اشکبار ہیں اور سینوں میں آتش غم کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ افسوس تو اس بات پر ہے کہ شیطان کے ہمنواؤں اور بدنام لوگوں نے رحمان کے سپاہیوں اور پاکباز لوگوں کو تہہ تیغ کر ڈالا ہے۔ اور ابھی تک اس شیطانی ٹولے کے ہاتھوں سے ہمارے پاک خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ ان کے ناپاک دہن ہمارا گوشت چبانے میں مصروف ہیں اور صحرا کے بھیڑیے ان پاکباز شہیدوں کے مظلوم لاشوں کے اردگرد گھوم رہے ہیں اور جنگل کے نجس درندے ان پاکیزہ جسموں کی بے حرمتی کر رہے ہیں۔

اے یزید! اگر آج تو ہماری مظلومیت پر خوش ہو رہا ہے اور اسے اپنے دل کی تسکین کا باعث سمجھ رہا ہے تو یاد رکھ کہ جب قیامت کے دن اپنی بدکرداری کی سزا پائے گا تو اس کا برداشت کرنا تیرے بس سے باہر ہوگا۔ خدا عادل ہے اور وہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ ہم اپنی مظلومیت اپنے خدا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اور ہر حال میں اسی کی عنایات اور عدل و انصاف پر ہمارا بھروسہ ہے۔ اے یزید! تو جتنا چاہے مکر و فریب کر لے اور بھرپور کوشش کر کے دیکھ لے مگر تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تو نہ تو ہماری یاد لوگوں کے دلوں سے مٹا سکتا ہے اور نہ ہی وحی الٰہی کے پاکیزہ آثار محو کر سکتا ہے۔ تو یہ خیال

اپنے دل سے نکال دے کہ ظاہر سازی کے ذریعے ہماری شان ومنزلت کو پالے گا۔

تو نے جس گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا ہے اس کا بدنما داغ اپنے دامن سے نہیں دھو سکتا۔ تیرا نظریہ نہایت کمزور اور گھٹیا ہے۔ تیری حیات اقتدار میں گنتی کے چند دن باقی ہیں۔ تیرے سب ساتھی تیرا ساتھ چھوڑ جائیں گے۔ تیرے پاس اس دن کے لئے حیرت و پریشانی کے سوا کچھ بھی نہیں جب منادی ندا کرے گا کہ ظالم وستمگر لوگوں کے لئے خدا کی لعنت ہے۔

ہم خدائے قدوس کی بارگاہ میں سپاس گزار ہیں کہ ہمارے خاندان کے پہلے فرد (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سعادت ومغفرت سے بہرہ مند فرمایا اور ہمارے آخر (امام حسین علیہ السلام) کو شہادت و رحمت کی نعمتوں سے نوازا۔ ہم بارگاہِ ایزدی میں دعا کرتے ہیں کہ ہمارے شہیدوں کے ثواب واجر میں اضافہ وتکمیل فرمائے اور ہم باقی سب افراد کو اپنی عنایتوں سے نوازے، بے شک خدا ہی رحم و رحمت کرنے والا اور حقیقی معنوں میں مہربان ہے۔ خدا کی عنایتوں کے سوا ہمیں کچھ مطلوب نہیں اور ہمیں صرف اور صرف اسی کی ذات پر بھروسہ ہے اس لئے کہ اس سے بہتر کوئی سہارا نہیں ہے۔

خطبہ کے اثرات

سیدہ زینبِ کبریٰ سلام اللہ علیہا کا حقیقت آمیز مگر آتشیں خطبہ سن کر یزید کانپنے لگا اور اپنے جرائم کے تمام راز فاش ہونے اور اپنے برے انجام کا سن کر اس کے حواس باختہ ہو گئے اسے کچھ نہیں سوجھتا تھا کہ کیا کرے اور کیا کہے جس سے اس کی بداعمالیوں اور گھناؤنے کردار پر پردہ پڑ سکے۔ اپنے انجام کا تصور کر کے کہنے لگا!

میری دنیا بھی آخرت بھی گئی ایسی رسوائیاں نصیب ہوئیں
بے اثر ہے ہر ایک فریاد موت کی گھڑیاں اب قریب ہوئیں

نمونۂ سخن

جنابِ زینب نے اپنے اس خطبے میں حقائق کے اظہار کیا جو انقلاب آفریں انداز اختیار کیا

ہے اس کی نظیر پورے عالم میں نہیں ملتی اور حق و حقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے فطرت کی رعنائیوں کو آزادی و حریت سے ہم آہنگ کر کے جرأت بیان کا جو مقدس نمونہ پیش کیا ہے وہ ہر صاحب فکر و دانش کے لئے قابلِ تقلید ہے۔ جنابِ زینب نے اپنے مقدس بیان کی روشنی میں دنیائے انسانیت کو حقائق کے اظہار کا فطری طریقہ فطری حقوق کے تحفظ کا سلیقہ اور حقیقت و عقیدت کے امتزاج کا ڈھنگ سکھایا ہے۔

اعلائے کلمہ حق

سیدہ زینب نے بتلایا کہ ظالم و ستمگر کے سامنے کلمہ حق کس طرح کہا جاتا ہے۔ اور زبان و بیان کی قوت کو شمشیر و سناں سے زیادہ تیز اثر دے کر کس طرح لوگوں کے دلوں میں اترا جاتا ہے۔ علیؑ کی بیٹی نے اپنے خطبے کے بل بوتے پر مظلوم انسانوں کا استحصال کرنے والوں کے خلاف قیام کرنے کے آداب سکھائے۔

قصرِ یزیدیت کی تاراجی

جنابِ زینب (س) عالیہ نے جس پاکیزہ انداز میں بنی امیہ کی نخوت کا کاخِ مرمر اپنے بیان کی قوت سے ریزہ ریزہ کیا اس کے سامنے یزید کا سر ندامت و شرمندگی سے جھک گیا اور اسے رسولؐ زادی کا استدلال اس طرح رسوا کر گیا کہ وہ سوچنے لگا کہ کاش! زمین کا منہ کھل جائے اور وہ اس میں چھپ کر اپنی رہی سہی عزت بچا سکے مگر اب وقت گزر چکا تھا۔ افسوس و ندامت کی گھڑیاں بیت چکی تھیں اور اموی خاندان کی طاغوتیت اور فرعونیت کا بت پاش پاش ہو چکا تھا اور ان کی سطوت و آمریت کے چراغ گل ہو چکے تھے۔ اور اب یزید کے ایوانِ اقتدار پر مایوسی، پریشانی، اضطراب اور ندامت کے سائے محیط تھے۔

انقلاب آفرین خطبہ

زینبِ کبریٰ (سلام اللہ علیہا) کے تاریخی خطبے کی انقلاب آفرین تاثیر رہتی دنیا تک بنی ہاشم کی شجاعت کا پرچم سر بلند رکھے گی۔ اور فطرت کی رعنائیوں اور زیبائیوں کے مشتاق علیؑ کی بیٹی کے

عصمت شعار خطاب کی روشنی میں شعور نظر، شعارِ حقیقت، احساس عظمت وقوت ارادہ، حسن اخلاق اور کسب کمال کی نعمتوں سے بہرہ ور ہوتے رہیں گے۔

ثانی زہراء سلام اللہ علیہا کے خطبے کے بعد امام سجاد علیہ السلام کے مسجد دمشق میں خطبے نے شور وغوغا برپا کر دیا اور بنوامیہ کی تقریباً تیس سال سے زائد شام میں کوششوں کو برباد کر کے رکھ دیا۔ اور اس چیز کا سبب بنا کہ خود یزید قاتلان امام حسین علیہ السلام پر لعنت کرے۔

دربار شام میں امام سجاد علیہ السلام کا خطبہ

یزید کے کہنے پر خطیبِ مسجد نے حضرت علی (ع) کی برائی بیان کرنی شروع کی اور رسول [ص] سے بنی امیہ کا شجرہ ملا دیا، اب حضرت امام سجاد (ع) اپنی جگہ سے اُٹھے اور بلند و بالا آواز سے خطیب کو اس طرح مخاطب کیا ویلك الخاطب اشتریت رضاۃ المخلوق بسخط الخالق فتبو، معتدت من النار ۔۔۔ ''وائے ہو تجھ پر اے تقریر کرنے والے تو نے لوگوں کی خوشی کے لئے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی پرواہ نہیں کی''

اور یزید کی طرف دیکھ کر امام سجاد (ع) نے فرمایا کہ اے یزید کیا تو مجھے اجازت دیتا ہے کہ لکڑی کے اس منبر پر بیٹھوں اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کچھ تقریر کر سکوں، اُس مسجدِ بنی امیہ میں بے شمار مجمع تھا اور ہر طرح کے لوگ وہاں جمع تھے، یزید نے چاہا کہ امام سجاد (ع) کو اجازت نہ دے لیکن امام سجاد (ع) کی بلند آواز کو سب مجمع نے سنا اور تمام حضرات سید سجاد (ع) کی طرف غور سے دیکھنے لگے اور سب نے کہا اے یزید اس نوجوان کو بھی منبر پر جا کر تقریر کرنے کی اجازت دے تاکہ ہم بھی تو واقعات کی اصلیت کا اندازہ لگا سکیں اور اے یزید تو اس نوجوان کی تقریر کرنے سے کیوں گھبرا رہا ہے، اسے فوراً اجازت دی جائے تاکہ وہ بھی چند الفاظ ادا کر سکے لیکن یزید کا دل نہیں چاہتا تھا کہ امام سجاد (ع) منبر پر جا کر اصل حالات سے لوگوں کو باخبر کر سکیں کیونکہ وہ جانتا تھا کہ نبوت کا چشم و چراغ منبر پر آ کر حقائق بیان کر دے گا اور جو کچھ ملکِ شام کی حکومت نے برسہا برس سے علی (ع) کی توہین کی تھی اور دنیا اور زمانے کو دھوکا دیا تھا تو عوام الناس کو حقیقت

کا پتہ چل جائے گا اور بنی امیہ کی جھوٹی سازش کا بھانڈہ پھوٹ جائے گا۔آخر کارعوام الناس کا اصرار بڑھا اور یزید مجبور ہو گیا اور اُس نے امام سجاد(ع) کو اجازت دی کہ امام منبر پر جا کر اپنے خیالات کا اظہار کریں۔

خطبہ امام زین العابدین علیہ السلام

اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر ہے جو بہت مہربان اور نہایت ہی رحم والا ہے،جس کی تعریف کی کوئی انتہا نہیں ہے۔وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا،اُس کی ذات ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔اُسے کوئی زوال نہیں ہے،وہ سب سے پہلے تھا اور سب کے آخر تک رہے گا۔وہی لوگوں کو دن اور رات روزی تقسیم کرتا ہے۔پس اللہ تعالیٰ کی تعریف سن چکے ہو،اے مردمانِ شام عوام الناس ہوشیار ہو جاو کہ اللہ تعالیٰ نے بے شمار نبی و اولیاء دنیا میں بھیجے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے چھ خصلتیں اور سات فضیلتیں ہمیں بخشی ہیں جن میں ہمارے جیسا کوئی دوسرا نہیں:

۱۔ علم ۲۔ حلم ۳۔ سخاوت ۴۔ فصاحت

۵۔ شجاعت ۶۔ مؤمنین کے دلوں میں محبت

اور ہماری سات فضیلتیں یہ ہیں:

۱۔ ہمارے جد رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

۲۔ اس اُمت کے صدیق حضرت علی(ع) ہمارے دادا ہیں۔

۳۔ جعفر طیار ہم میں سے ہیں۔

۴۔ رسول خدا(ص) اور خدا کے شیر حمزہ(ع) ہم میں سے ہیں۔

۵،۶۔رسولِ خدا(ص) کے دونوں نواسے حسن(ع) و حسین(ع) ہم میں سے ہیں۔

۷۔ سیدہ نساء العالمین فاطمہ زہرا(س) میری جدہ ہیں۔

اے لوگو!تم میں سے کچھ حضرات تو مجھے جانتے ہی ہیں کہ میں خانوادہ رسول اللہ [ص] ہوں۔میں اپنا شجرہ حسب و نسب بیان کرتا ہوں۔

اب امام زین العابدین (ع) نے اپنا تعارف جن الفاظ میں کرایا ہے وہ اُن کے عزم وہمت ،نسب کی پاکبازی اور افضل ترین شجرہ کی عکاسی کرتا ہے ،تمام جہانوں میں آج تک کسی نے اپنا تعارف یوں نہ کرایا ہوگا جیسا کہ امام سجاد (ع) نے کرایا اور دربارِ یزید میں موجود تمام لوگوں سمیت رہتی دنیا تک مخلوقِ خدا کو یہ باور کرا دیا کہ خبردار حسب ونسب میں ہمارا مقابلہ بھول کر بھی نہ کرنا، تاریخ میں اپنا ایک تعارف امیر المومنین علی ابنِ ابیطالب (ع) نے جنگِ خیبر کے موقع پر کرایا تھا اور آج امام زینُ العابدین (ع) نے اپنے جد کی سنت ادا کی۔

امام سجاد (ع) کا تعارف خود اپنی زبانی

میں مکہ ومنٰی کا بیٹا ہوں، میں زمزم وصفا کا بیٹا ہوں، میں اُس نبی کا نواسہ ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے براق کے ذریعے جن کو زمین وآسمان کی سیر کرائی اور ان کو رات کے وقت مسجد الحرام سے مسجد الاقصٰی تک لے گیا اور سیر کروائی، میں حجرِ اسود کا بیٹا ہوں کہ جس کو اپنی عبا میں لے کر اصل مقام پر لگا دیا، میں اس پاک و پاکیزہ ہستی کا بیٹا ہوں کہ جنھوں نے اسلام کے اصولوں کو دنیا کو بتلایا، میں اس عظیم ہستی کا بیٹا ہوں جس نے احرام باندھا اور طواف کیا اور سعی بجالائے۔

میں اُس ہستی کا بیٹا ہوں جس نے حج کیا اور اللہ تعالیٰ کی آواز پر لبیک کہا۔ میں اُس کا بیٹا ہوں کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے سدرۃ المنتہٰی کی سیر کرائی، میں اُس پاک ہستی [محمد مصطفٰی] کا بیٹا ہوں جو قربِ خدا تک گیا، میں اُس ہستی کا بیٹا ہوں کہ جس نے آسمان کے فرشتوں کو نماز پڑھائی، میں اُس ہستی کا بیٹا ہوں کہ جس پر اللہ تعالیٰ نے وحی کا سلسلہ جاری کیا، میں محمد مصطفٰی (ص) اور علی (ع) مرتضٰی کا بیٹا ہوں اور میں اُس بہادر کا بیٹا ہوں جس نے بڑے بڑے کافروں کو قتل کر کے اسلام کو سر بلند کیا۔

میں اُس کا بیٹا ہوں جس نے ہجرت کی اور جنگِ خندق وحُنین میں کامیابی حاصل کی۔

میں اُس ہستی کا بیٹا ہوں کہ جس نے مارقین، ناکثین وقاسطین سے جنگ کر کے کامیابی حاصل کی۔

میں اُس ہستی کا بیٹا ہوں کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے سخاوت بخشی، عاقل پیشرو، صابر، روزہ دار اور مہذب شبِ زندہ دار مشرکوں کے قلعوں کو تباہ کرنے والا اللہ کا شیر ہے۔

میں علی ابنِ ابیطالب (ع) کا بیٹا ہوں جس کے خلاف حکومتِ شام ہوگئی۔
میں فرزندِ فاطمہ الزہرا (س) ہوں جو سیدہ نساء العالمین ہیں۔
میں خدیجۃ الکبریٰ اُم المومنین کا بیٹا ہوں۔
میں اُس مظلوم حسین (ع) کا بیٹا ہوں جس کا سر گردن کے پیچھے سے کاٹا گیا۔
میں اُس تشنہ لب شہید کا بیٹا ہوں کہ جو دنیا سے پیاسا چلا گیا۔
میں اُس حسین (ع) کا بیٹا ہوں جس کا لاشہ دفن نہیں کیا جاسکا۔
میں اُس بے کس غریب کا بیٹا ہوں کہ مرنے کے بعد اُس کے جسم پر سے لوگوں نے کپڑے لوٹ لئے اور لاش برہنہ رہ گئی، میں اُس ہستی کا بیٹا ہوں کہ جس پر چرند و پرند اور جنات نے جنگلوں اور ہواوں میں نوحہ پڑھا۔

میں اُس بے کس و غریب مسافر کا بیٹا ہوں کہ جس کے کنبے کو ظالم کشاں کشاں اسیر کر کے ہاتھوں کو کمر سے باندھ کر کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام لے گئے۔ میں سیدِ سجاد (ع) اللہ تعالیٰ کی بے انتہا تعریف و توصیف کر رہا ہوں اور اُس کا بے انتہا شکر ہے کہ اُس نے ہم کو امتحان میں ڈالا تاکہ پرچمِ رشد و ہدایت ہمارے خاندان میں قرار دے اور تمام ضلالت و گمراہی کو ہم سے دور کر دے۔

خطبہ امام (ع) منقطع کرانے کے لئے یزید کا بے وقت اذان دلوانا

اب امام (ع) کا خطبہ تقریباً آخری منزل میں تھا کہ امام (ع) نے اللہ کی تعریف بیان کی اور اپنے امتحان کا ذکر کیا۔ یہ سن کر لوگ پھوٹ پھوٹ کر بلند آوازوں سے رو رہے تھے، اب یزید ملعون کو خطرہ ہوا کہ عوام میں انقلاب آ رہا ہے اور میری حکومت ڈوبتی نظر آ رہی ہے۔
یزید ملعون نے گھبرا کر موذن کو حکم دیا کہ فوراً خطبہ علی ابن الحسین (ع) کو کاٹ دیا جائے اور آذان (بے وقت) دی جائے۔

اور موذن نے اذان کہنی شروع کی اور اللہ اکبر اللہ اکبر کہا تو امام سجاد (ع) نے فرمایا کہ بے شک خداوندِ عالم ہر شے سے بلند و برتر ہے، اس سے کوئی شے بھی بلند نہیں ہے، پھر موذن نے

اشھدان الاالٰہ الااللہ کہا تو امام سجاد(ع) نے کہا میرا خون اور گوشت ہڈیاں اور جسم کا انگ انگ اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرتا ہے پھر جب موزن نے کہا کہ اشھدان محمد الرسول اللہؐ تو امام سجاد(ع) نے یزید کی طرف رخ کر کے فرمایا اے یزید تو یہ بتا یہ محمد رسول اللہ (ص) تمہارے جد ہیں یا ہمارے جدِّ بزرگوار ہیں اور اے یزید تو اگر یہ کہے یہ میرے جد ہیں تو یہ بات جھوٹی ہے اور تو کافر ہے اور اگر حق بات کہے کہ وہ میرے جدِّ بزرگوار ہیں تو پھر تو نے اُن کی عترت کو اسیر کیا اور در بدر پھرا کر کیوں قید میں ڈال رکھا ہے۔(کتاب ناسخ التواریخ، ج ۲،ص ۱۶۷)

اس طرح کہ امور سبب ہوئے کہ یزید کا غرور خاک میں مل گیا جائے اور وہ جشن وسرور چھوڑنے پر مجبور ہو گیا؛ اور خوشی منانا اور سید الشہد اء(ع) کے مبارک لبوں کو چھڑی مارنا اور جاہلانہ اشعار پڑھنا ترک کر دیا وہ پشیمان نہیں ہوا بلکہ ڈر گیا تھا کیونکہ جب امام سجاد(ع) نے خطبہ دیا اس وقت بھی یزید نے امام حسین(ع) کا قتل ابن زیاد سے منسوب کیا اور پشیمانی کا اظہار کیا۔

اس ساری بحث سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اسیران کربلا بالخصوص امام سجاد علیہ السلام اور ثانی زہراء زینب سلام اللہ علیہا نے کربلا کی تحریک اور قیام عاشورا کو نتیجہ تک پہچانے اور کوفہ شام کو محاذوں کو فتح کر کے کربلا کو ابدیت عطا کی اور یزیدیت کو شکست دینے اوران کی سازشوں کو ناکام بنانے میں اہم کردار ادا کیا اور کربلا کو رہتی دنیا تک ابدی بنا دیا۔